تاج الشریعہ سلامت رہیں
TAJUSH SHARIAH SALAAMAT RAHEIN

مسلکِ اعلیٰ حضرت و جمہور علماء اہلسنت کے افکار و نظریات کا ترجمان

الرّضا

پٹنہ انٹرنیشنل

جولائی، اگست ۲۰۱۷ء July, August. 2017

ھادی الاضحیہ کا تجزیاتی مطالعہ

حضرت علامہ مولانا
مفتی محمد عطاء اللہ نعیمی
کراچی سے ایک ملاقات

”۔۔۔ پاکستان میں الحمدللہ سنیت کا غلبہ ہے اور علما بیدار ہیں، علما کی بیداری ہی جماعت کی جان ہے جو یہاں حاصل ہے، ہاں صلح کلیت نے سر ابھارا تھا جس کے داعی واصل محرک ڈاکٹر طاہر القادری ہیں۔ مگر یہاں علماءِ اہلسنت نے اس کے سد باب کے لیے بڑی جد و جہد کی، ان کے ساتھ میٹنگیں کیں، سمجھانا چاہا، بات مباحثہ تک کی آئی مگر زعم ہمہ دانی میں جن کے دماغ کی بتی گل ہو چکی ہو انہیں کیا نظر آئے؟ مگر صلح کلیت کا زور کم ہو رہا ہے۔۔۔“

گوشۂ
مفتی شعیب رضا

تربیت انسانی کے فکری مراحل

علمائے اہل سنت اور تحریک آزادی

جن گن من سے متعلق استفتاء اور اس کا جواب

جن من گن کو حمد الٰہی سمجھنے والوں کی خدمت میں

خدارا صلح حدیبیہ کی آڑ میں قوم کو بزدلی نہ سکھائیں

جماعت رضائے مصطفیٰ کا تاریخ ساز قدم

ہوس کو ہے کار نشاط کیا کیا!!

برصغیر میں الحاد و بے دینی کا بڑھتا رجحان قنوطیت و مرعوبیت اور ہوس کی پیداوار ہے جسے سنجیدگی سے لینے کی ضرورت ہے!

چیف ایڈیٹر
ڈاکٹر امجد رضا امجد

مسلکِ اعلیٰ حضرت و جمہور علماء اہلسنت کے
افکار و نظریات کا ترجمان

دوماہی

الرّضا

انٹرنیشنل پٹنہ

جلد نمبر ۲

شمارہ نمبر ۱۰

Bimonthly **AL-RAZA** (International) Patna

جولائی، اگست ۲۰۱۷ء شوال، ذی القعدہ ۱۴۳۸ھ

بیادگار

امام اہلسنت سیدنا سرکار اعلیٰ حضرت
امام احمد رضا قادری قدس سرہ العزیز

بطلِ روحانی

حجۃ الاسلام حضرت علامہ الشاہ
محمد حامد رضا خاں قدس سرہ العزیز

مفتی اعظم ہند حضرت علامہ الشاہ
محمد مصطفےٰ رضا نوری قدس سرہ العزیز

زیرِ سایۂ کرم

جانشین حضور مفتی اعظم ہند تاج الشریعہ قاضی القضاۃ فی الہند حضرت علامہ
الشاہ **مفتی اختر رضا خاں قادری رضوی الازہری** مدظلہ العالی
بریلی شریف (اترپردیش)

زیرِ عاطفت

محدث کبیر حضرت علامہ الحاج الشاہ
ضیاء المصطفیٰ قادری امجدی مدظلہ العالی جامعہ امجدیہ، گھوسی (اترپردیش)

سرپرست مجلس مشاورت

شہزادہ حضور تاج الشریعہ حضرت علامہ **عسجد رضا خاں قادری** مدظلہ العالی

مجلس مشاورت

● مولانا عبدالحئی نسیم القادری ڈربن، ساؤتھ افریقہ ● مولانا آفتاب قاسم رضوی، ڈربن ساؤتھ افریقہ ● مفتی عاشق حسین رضوی مصباحی، کشمیر ● مفتی زاہد حسین رضوی مصباحی، برطانیہ ● مولانا احسان اقبال قادری رضوی، کولمبو، سری لنکا ● مولانا الیاس رضوی مصباحی، بنارس ● مولانا قاسم عمر رضوی مصباحی، بنونی، ساؤتھ افریقہ ● مولانا موسیٰ رضا قادری، پریٹوریا، ساؤتھ افریقہ ● مولانا جنید ازہری مصباحی، ویسٹ انڈیز ● مولانا ابو یوسف محمد قادری ازہری، گھوسی ● مولانا غلام حسین رضوی مصباحی، پریٹوریا، ساؤتھ افریقہ ● مولانا شمیم احمد رضوی، لیڈی اسمتھ، ساؤتھ افریقہ ● مولانا سلمان رضا فریدی مصباحی، مسقط عمان ● مولانا قمرالزماں مصباحی، مظفرپور ● مولانا مجاہد حسین رضوی، الہ آباد ● مولانا محمد رضا صابری مصباحی ● مولانا قاضی خطیب عالم نوری مصباحی، لکھنؤ ● مولانا بہاء الدین رضوی مصباحی، گلبرگہ شریف ● مولانا انوار احمد نعیمی، اجمیر شریف ● قاری عتیق الرحمن رضوی، ہرارے، زمبابوے ● مفتی نعیم الحق ازہری مصباحی، ممبئی ● مولانا اشرف رضا قادری سبطینی بریلی شریف ● عبدالصبور رضا برکاتی، بریلی شریف ● مفتی شمس الحق مصباحی، نیوکاسل، ساؤتھ افریقہ ● مولانا اقبال شیخانی رضوی، ممبئی

مدیر اعلیٰ

ڈاکٹر مفتی امجد رضا امجد، پٹنہ

نائب مدیر

احمد رضا صابری، پٹنہ

مجلس ادارت

● مفتی راحت خان قادری، بریلی شریف
● مفتی ذوالفقار خان نعیمی ● مولانا بلال انور رضوی جہان آباد
● میثم عباس رضوی، لاہور ● ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نعیمی دہلی

معاونین مجلس ادارت

● مولانا جمال انور رضوی کلیر، جہان آباد ● مولانا طارق رضا نجمی سعودیہ عربیہ ● جناب زبیر قادری، ممبئی

مراسلت و ترسیل زر کا پتہ

دوماہی 'الرضا' انٹرنیشنل، پٹنہ
ہیرا کامپلیکس، قطب الدین لین، نزد دریاپور مسجد
سبزی باغ، پٹنہ 800004 رابطہ: 9835423434 /8521889323
ای میل: alraza1437@gmail.com
Bimonthly **AL-RAZA** (International) Patna
C/o. Ahmad Publications Pvt. Ltd.
Hira Complex, Qutubuddin Lane, Near Daryapur Masjid,
Sabzibagh, Patna - 4, E-mail: alraza1437@gmail.com,
Contact / Telegram / Whtsapp: 8521889323

رابطہ: (مدیر اعلیٰ) amjadrazaamjad@gmail.com/9835423434
پتہ: القلم فاؤنڈیشن نزد شادی محل، سلطان گنج پٹنہ ۶ (بہار)

گول دائرے میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کا زر سالانہ ختم ہو چکا ہے برائے کرم اپنا زر سالانہ ارسال فرمائیں تاکہ رسالہ بروقت موصول ہو سکے۔ ○

قیمت فی شمارہ: ۲۵ روپے، سالانہ ۱۵۰ روپے بیرون ممالک سالانہ ۲۰ امریکی ڈالر

قانونی انتباہ! مضمون نگار کی آراء سے ادارہ "الرضا" کا اتفاق ضروری نہیں! کسی بھی مسئلہ میں ادارہ الرضا کا موقف وہی ہے جو اعلیٰ حضرت کا ہے اس کے خلاف اگر کوئی مضمون دھوکہ میں شائع ہو بھی جائے اسے کالعدم سمجھا جائے، کسی بھی طرح کی قانونی چارہ جوئی صرف پٹنہ کورٹ میں قابل سماعت ہوگی۔

پرنٹر پبلشر احمد رضا صابری ڈائریکٹر احمد پبلیکیشنز (پرائیویٹ لمیٹڈ) نے سبزی باغ سے طبع کر کے دفتر دوماہی الرضا انٹرنیشنل، پٹنہ سے شائع کیا۔

مشمولات

منظومات

- یاالٰہی نہ پھرا بے سروساماں ہم کو   حسان الہند امام احمد رضا قادری   3

اداریہ

- ہوس کو ہے کار نشاط کیا کیا
برصغیر میں الحاد و بے دینی کا بڑھتا رجحان قنوطیت ومرعوبیت اور ہوس کی پیداوار ہے، جسے سنجیدگی سے لینے کی ضرورت ہے   4

تاثرات

- ڈاکٹر حسن رضا خان پی ایچ، ڈی، پٹنہ - مولانا قمر الزماں مصباحی - مولانا عبدالرزاق پیکر رضوی: پٹنہ
- ڈاکٹر ممتاز احمد رضوی - سید شاہ نصر الدین بلخی فردوسی - مولانا محمد تحسین ضیا مصباحی - مولانا عبدالصمد مصباحی
- مولانا محمد اویس رضا قادری - محمد کیف رضا قادری، سیتاپور یوپی   9

تحقیقات اسلامی

- تربیت انسانی کے فکری مراحل   پروفیسر محمد راشد مجددی   17
- ھادی الاضحیہ کا تجزیاتی مطالعہ   مولانا غلام سرور قادری   24

حالات حاضرہ

- علمائے اہل سنت اور تحریک آزادی   مولانا طارق انور مصباحی   33
- جن گن من سے متعلق استفتاء اور اس کا جواب   مفتی ذوالفقار خان نعیمی ککرالوی   36
- جماعت رضائے مصطفیٰ کا تاریخ ساز قدم   ڈاکٹر محمد امجد رضا امجدؔ   38
- جن من گن کو حمد الٰہی سمجھنے والوں کی خدمت میں   ڈاکٹر امجد رضا امجدؔ   39
- خدارا صلح حدیبیہ کی آڑ میں قوم کو بزدلی نہ سکھائیں   مولانا غلام مصطفیٰ نعیمی   40

مصاحبات

- استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عطاء اللہ نعیمی، کراچی سے ایک ملاقات   44

مطالعہ رضویات

- امام احمد رضا اور جدید سائنس   ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری   48
- مفتی اعظم ہند اور صدر الافاضل کچھ یادیں کچھ باتیں   مولانا غلام مصطفیٰ نعیمی   52

گوشۂ مفتی شعیب رضا

- تم کیا گئے کہ رونق محفل چلی گئی   ڈاکٹر غلام مصطفےٰ نجم القادری   57
- جانے والے تو ہمیں یاد آئے گا   مفتی راحت حسین خان قادری   58
- آہ مفتی شعیب رضا   مولانا غلام رسول بلیاوی   59
- ایسا کہاں سے لاؤں کہ   مولانا محمد انیس عالم سیوانی   60
- ایک پاکیزہ ہوا تھی جو گزر گئی   مفتی ارشد نعیمی قادری   59
- ایک اچھے اور بردبار انسان   مولانا ابو اسامہ عبداللہ علیمی   61
- مفتی محمد شعیب رضا نعیمی سوانحی خاکہ   62

منظومات

یا الٰہی نہ پھرا بے سروساماں ہم کو

حسان الہند امام احمد رضا قادری

یاد میں جس کی نہیں ہوش تن وجاں ہم کو
پھر دکھادے وہ رخ اے مہر فروزاں ہم کو

دیر سے آپ میں آنا نہیں ملتا ہے ہمیں
کیا ہی خود رفتہ کیا جلوۂ جاناں ہم کو

جس تبسّم نے گلستاں پہ گرائی بجلی
پھر دکھادے وہ ادائے گلِ خنداں ہم کو

کاش آویزۂ قندیل مدینہ ، ہو وہ دِل
جس کی سوزش نے کیا رشک چراغاں ہم کو

عرش جس خوبیِ رفتار کا پامال ہوا
دو قدم چل کے دکھا سردِ خراماں ہم کو

شمع طیبہ سے میں پروانہ رہوں کب تک دور
ہاں جلادے شررِ آتش پنہاں ہم کو

خوف ہے سمع خراشِ سگِ طیبہ کا
ورنہ کیا یاد نہیں نالۂ وافغاں ہم کو

خاک ہوجائیں درِ پاک پہ حسرت مٹ جائے
یا الٰہی نہ پھرا بے سرو سَاماں ہم کو

خارِ صحرائے مدینہ نہ نِکل جائے کہیں
وحشتِ دل نہ پھرا کوہ و بیاباں ہم کو

تنگ آئے ہیں دو عالم تری بیتابی سے
چین لینے دے تپِ سینۂ سوز اں ہم کو

پاؤں غربال ہوئے راہ مدینہ نہ ملی
اے جنوں اب تو ملے رخصتِ زنداں ہم کو

میرے ہر زخمِ جگر سے یہ نکلتی ہے صَدا
اے ملیح عربی کردے نمکداں ہم کو

سیر گلشن سے اسیرانِ قفس کو کیا کام
نہ دے تکلیفِ چمن بلبلِ چمن بلبلِ بستاں ہم کو

جب سے آنکھوں میں سمائی ہے مدینہ کی بہار
نظر آتے ہیں خزاں دیدہ گلستاں ہم کو

گرلب پاک سے اقرار شفاعت ہو جائے
یوں نہ بے چین رکھے جوشِش عصیاں ہم کو

نیر حشر نے اِک آگ لگا رکھی ہے !
تیز ہے دھوٗپ ملے سایۂ داماں ہم کو

رحم فرمایئے یا شاہ کہ اب تاب نہیں
تا بکے خون رلائے غمِ ہجراں ہم کو

چاکِ داماں میں نہ تھک جائیو اے دستِ جنوں
پرزے کرنا ہے ابھی جیب و گریباں ہم کو

پَردہ اُس چہرۂ انور سے اٹھا کر اِک بار
اپنا آئینہ بنا اے مہِ تاباں ہم کو

اے رضا وصفِ رُخِ پاک سنانے کے لیے
تدر دیتے ہیں چمن مُرغ غزل خواں ہم کو

□□□

اداریہ

ڈاکٹر محمد امجد رضا امجدؔ

ہوس کو ہے کار نشاط کیا کیا

برصغیر میں الحاد و بے دینی کا بڑھتا رجحان قنوطیت و مرعوبیت اور ہوس کی پیداوار ہے جسے سنجیدگی سے لینے کی ضرورت ہے

الحاد و بے دینی یاسیت و مرعوبیت اور قنوطیت کی پیداوار ہے جس کا رشتہ ماضی کی جڑوں سے وابستہ ہے۔ ہندوستان سے مغلیہ سلطنت کے زوال اور خطہ عرب میں خلافت عثمانیہ کے سقوط سے مسلمانوں کے اندر یاسیت کا جو احساس پیدا ہوا تھا اسے انگریزوں کے تسلط، امریکہ کی عالم گیر دہشت گردی اور ہندوستان پر آر ایس ایس کے اقتدار نے اور گہرا کر دیا۔ رہی سہی کسر اہل ہوا و ہوس کے فتنہ جنون نے پوری کردی اور یاسیت و ہوس کی فکری ترکیب سے الحاد و بے دینی اور زندیقیت و صلح کلیت کا وہ جن پیدا ہو گیا جو مختلف ادوار اور مختلف شکلوں میں ہمارے سامنے آتا رہا۔

عالم اسلام کے مسلمان ابھی ذلت و رسوائی کے بدترین دور سے گزر رہے ہیں، سیاسی اور مذہبی کسی بھی اعتبار سے ان کا کوئی مستقبل نہیں۔ قائد سے محروم، لائحۂ عمل سے آزاد اور لامرکزیت کی شکار قوم کا نام آج مسلمان ہے۔ ۲۵ رسال سے مسلسل یہود و نصاریٰ کے حملوں کا سامنا کرنے والی قوم کو اب بھی ہوش نہیں آیا کہ وہ کون ہے، اس کی تاریخ کیا ہے اور اس کی ذمہ داریاں کیا ہیں؟ دشمن مختلف سیاسی چالوں سے ان پر مسلسل حملے کر رہا ہے جس کا نتیجہ ہے کہ شہر کا شہر ویران، لاکھوں مسلمان شہید، ہزاروں جوان اور بچے مفلوج و بے سہارا ہو گئے، گولے اور بارود سے جان بچا کر بھاگنے والوں کو سمندر نے دبوچ لیا، جو ان کے مظالم سے بچ گئے ان کی زندگی عذاب سے بدتر ہو گئی، مگر وائے افسوس کہ مسلم حکمرانوں تک ان مظلوموں کی چیخ باریاب نہ ہو سکی، ان کی دربدری نے کتنی آنکھوں کو آبدیدہ کر دیا، مگر مسلمانوں کے لہو سے اپنے محلوں کو چراغاں کرنے والے امرا، ان مظالم کے خلاف احتجاج کے دو لفظ نہ بول سکے، وہاں زندگی آج بھی مفلوج اور دربدری کی شکار ہے مگر امرا و سلاطین ان کے زخموں پہ مرہم رکھنے کے بجائے دشمنوں سے اپنے اقتدار و مفاد کے تحفظ کی بھیک مانگ رہے ہیں، ''ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدائے ماست'' کا نعرہ لگانے والی قوم اتنی بے حس ہو جائے گی، اپنے ملک میں دوسروں کو بطور ''مستامن'' امن و تحفظ دینے والی قوم، خود لمحہ بھر کی زندگی کے لئے دوسروں کی محتاج ہوگی، اور دوسروں سے اپنی فتح و نصرت کا خراج وصول کرنے والی قوم، اپنی بادشاہت و آمریت کی بقا کے لئے تحفے کے نام پہ رشوت دینے کی گھنونی تاریخ رقم کرے گی؟ یہ کون سوچ سکتا تھا؟ مگر آج بھیگی پلکوں سے ان مناظر کو امریکی صدر ٹرمپ کے دورہ سعودی عرب کے حالیہ تناظر میں دیکھا جا سکتا ہے۔

ٹرمپ کا سعودی دورہ اور سعودیوں کی طرف سے ''انتہائی قیمتی اور نایاب ہیرا، سونے سے تیار کردہ گن، ۵۲ رکیلو وزنی خالص سونے اور ہیرے اور جواہر سے مزین تلوار، سونے اور ہیروں سے تیار ۵۲ رگھڑیاں، ہیرے اور جواہرات سے سجے ۱۵۰ مجسمہ، ۸۰ رکروڑ ڈالر کی ۱۲۵ رمیٹر لمبی کشتی، اور دار الحکومت ریاض کی سب سے بڑی شاہ راہ کا ٹرمپ کی طرف انتساب آخر کس ذہنیت کی غماز ہے؟ کیا کوئی کہہ سکتا ہے یہ وہی غیور عرب ہیں جنھوں نے زمانے کی سوچ کا دھارا بدل دیا تھا؟ کیا یہ تحائف اسی مرعوبیت کی علامت نہیں جو سرفرازی کے بجائے سجدہ ریزی پر آمادہ کرتے ہیں؟ عالمی تناظر میں دیکھیں تو خلافت عثمانیہ کے ٹوٹنے کے بعد مسلم ممالک پر احساس شکست کا جو ہراس پیدا ہوا تھا وہ اب تک ختم نہیں ہو پایا ہے اور کبھی کسی کی رگ حمیت نے غیرت اسلامی کے جذبے کا مظاہرہ کرنا چاہا تو امریکی اور استعماری طاقتوں نے اسے کچل کر

رکھ دیا۔ صدام حسین کی شہادت، کرنل قذافی کا بے رحمانہ قتل، مسلم ممالک پر پے در پے حملے، اسی مرعوبیت کے پیدا کرنے کے لیے ہے جس کے سبب آدمی کبھی سرفرازی کی جرأت نہیں کرسکتا، وہ ہمیشہ ڈرا سہما اور ذہنی غلامی پہ آمادہ نظر آتا ہے، آج عرب ممالک اسی سوچ کے اسیر ہیں۔ ایک دن وہ بھی تھا جب ایک مظلوم مسلم بچی کے خط نے ان کے ضمیر کو للکارا تھا اور وہ تھوڑی سی نفری لے کر مظلوم کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے تھے اور، ان کے جوش ایمانی، کردار و عمل کی پختگی اور رضائے الٰہی کے جذبہ نے انہیں دیار غیر میں فتح مندی سے ہمکنار کردیا تھا مگر آج اس خطہ حجاز پہ کون لوگ قابض ہیں جن کا ''قلمدان فتویٰ'' مظلوموں پہ ظلم اور دشمنوں کی حمایت کے انگارے اگل رہا ہے، مسلمانوں کی تباہی پہ ان کا قلم خاموش، بربریت کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے سے گریز اور توحید توحید کی رٹ کے باوجود رضائے الٰہی کے بجائے رضائے نصاریٰ و یہود کے لئے میدان کارزار میں تیر بکف ہیں، کیا ان کا، ان غیور غلامان محمد سے کوئی تعلق ہے، زمانہ جن کی ہمت شجاعت اور صداقت کی قسمیں اٹھاتا ہے، سعودی فرمارواں کی مرعوبیت اور خوشامد پسندانہ ذہنیت کے بعد ان کے لقمہ تر پہ پلنے والے سعودی مفتی کا ایک فتویٰ بھی قارئین کی نظر سے گزرا ہوگا واٹس ایپ پہ گردش کررہا تھا، کہ قطری مسلمانوں کی مدد جائز نہیں، فلسطین کی مدد کرنے والے مجرم ہیں اور اسرائیل کے خلاف لڑنے والے بھی قابل مذمت اور گنہگار ہیں (مفہوم) اب اس حرکت پہ دعائے ہدایت کے ساتھ توفیق ہو تو ''الٰہی نکلے یہ نجدی بلا مدینے سے'' کا وظیفہ ضرور پڑھنا چاہئے۔ ایک اور فتویٰ میں خدائی دعویٰ کرتے ہوئے کہا گیا کہ سعودیوں کو راضی کئے بغیر قطری مسلمانوں کا روزہ ہی قبول نہیں، عبارت ہے لن یقبل صیام القطرین حتی ترضی السعودیۃ عنھم۔ امریکہ کی خوشنودی میں دیا گیا یہ فتویٰ اس سودا کا نتیجہ ہے جو ترکوں کے خلاف لڑنے کے لئے انہوں انگریزوں سے کیا تھا، تاریخ کا ایک ورق پلٹئے اور ایک ایسے معاہدہ کو ملاحظہ کیجئے جس سے آپ کا دل زخمی ہوجائے گا اور آپ یہ یقین کرکے ہی رہیں گے کہ نام نہاد ''خادم الحرمین شریفین'' کا حقیقی تاریخی روپ کیا ہے

> انا سلطان عبد العزیز بن عبد الرحمٰن آل فیصل آل سعود اقر و اعترف الف مرۃ للسیر برسی کوکس مندوب برطانیہ العظمیٰ لا مانع عندی من اعطا فلسطین لساکین الیھود و غیرھم کما ترا بریطانیا التی لا اخراج عن رایھا حتی تصبح الساعۃ میں سلطان عبد العزیز بن عبد الرحمٰن آل فیصل آل سعود برطانیہ عظمیٰ کے مندوسب سر برسی کوکس کے لئے ایک ہزار مرتبہ اس بات کا اعتراف و اقرار کرتا ہوں کہ فلسطین کو یہودیوں کے حوالہ کرنے پر مجھے کوئی اعتراض نہیں یا برطانیہ اس فلسطین کو جسے چاہے دے دے مین برطانیہ کی رائے سے صبح قیامت تک اختلاف و انحراف نہیں کرسکتا (منزل کی تلاش سے اقتباس: ص ۶ بحوالہ افادات تاریخ آل سعود)

مرعوبیت احساس شکست اور یاسیت و قنوطیت کا یہ مرض عرب تک ہی محدود نہیں رہا بلکہ ''چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی'' کی مانند بڑھتا گیا، آبادی کی آبادی اس سے متاثر ہوتی رہی، ملک کا ملک اس کی لپیٹ میں آتا گیا حتیٰ کہ ؎

میر عرب کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے
میرا وطن وہی وہی ہے میرا وطن وہی ہے

تک اس کے جراثیم سرایت کرگئے، اور عالم یہ ہوگیا کہ ؎

بدل گئی ہے کچھ ایسی ہوا زمانے کی
نہ کی سموم نے جو بات وہ صبا نے کی

ہندوستان میں صوفیہ کے لائے گئے دین کا چہرہ بھی حالات کے تھپیروں سے مسخ ہوئے بغیر نہ رہ سکا، کبھی اکبر کی لادینیت نے فضا مسموم کی تو کبھی انگریزوں کی کاسہ لیسی نے اس کی وسعت کو حصار بند کیا۔ جب انگریزوں کا تسلط کمزور پڑا اور ہنود کے اقتدار کی ہوا بننی شروع ہوئی تو ہنود کی غلامی کے اثرات نمایاں ہونے لگے اور خدا کی رضا جوئی کی جگہ ہنود کی رضا طلبی نے لے لی۔ چنانچہ تقریبا سو سال قبل

ہندوستان میں جب آزادی ہند کی تحریک شروع ہوئی تو اس کے بطن سے ''تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات'' بھی وجود میں آئی، بظاہر سیاسی ہوتے ہوئے بھی اس تحریک کا تعلق مذہب سے تھا کہ ترک موالات اور خلافت دونوں دینی معاملہ ہے مگر اس کے باوجود دونوں تحریک کی قیادت و پیشوائی بجائے مسلمان کے گاندھی جی کو سونپی گئی، یہ بجائے خود مرعوبیت، تملق اور ذہنی غلامی کی علامت تھی۔ یہ تحریک اور اس کی قیادت تاریخی اعتبار سے مسلمانوں کے لئے کتنی مضر اور تباہ کن ثابت ہوئی یہ بعد کے حالات نے بتادیا جیسا کہ رشید احمد صدیقی نے ان تحریکات کی مخالفت کرنے والے مولانا سید سلیمان اشرف بہاری کے بارے میں لکھا کہ ''بعد میں معلوم ہوا حقیقت وہی تھی، اس کا ایک ایک حرف صحیح تھا، آج تک اس کی سچائی اپنی جگہ قائم ہے''

اس تحریک اور قیادت سے متحدہ قومیت کا جو منشور سامنے آیا اسے آج کے حالات سے الگ نہیں دیکھا جاسکتا، ادوار بدلے ہیں احوال نہیں بدلے، افراد بدل گئے ہیں افکار میں تبدیلی نہیں آئی، الحاد کا لہجہ بدلا ہے مضمون میں فرق نہیں آیا۔ تاریخ ہند بالخصوص آزادی ہند کی تاریخ پہ نگاہ دوڑائیں تو یہ شہ سرخیاں چشم تحیر کو آبدیدہ کردیں گی کہ اسی عہد میں کسی نے گاندھی کو ''نبی بالقوہ'' کہا تو کسی نے ''مذکر من اللہ''، کسی نے ''نبوت ختم نہیں ہوئی ہوتی تو گاندھی جی نبی ہوتے'' کہا تو کسی نے اُسے مسجد کے منبر پر بٹھایا، کسی نے جمعے کے خطبے میں گاندھی کا نام لیا تو کسی نے ہندوؤں ارتھی کو کاندھا لگانا فرض سمجھا۔ کسی نے خوشنودئ ہنود کے لیے گائے کی قربانی پر پابندی لگائی تو کسی نے رامائن کے ساتھ قرآن پاک کا جلوس نکالا ع پنبہ کجا کجا نہم تن ہمہ زار زار شد

کس کس کا رونا رویا جائے اور کس کس سانحہ پہ کتنا ماتم کیا جائے، اس دور کی تاریخ جہاں مسلمانوں کے لہو سے سرخ نظر آتی ہے وہیں تملق پسند لیڈران، جاہ پسند علما اور دین فروش صاحبان جبہ و دستار کی سیاہ کاریوں سے داغدار بھی۔ اب غور فرمائیں کہ کل اور آج کے الحاد و بے دینی میں کتنا فرق ہے؟ کل بھی ایسے لوگ مرعوبیت کی زندہ لاش تھے آج بھی ایسے افراد اموات غیر احیا کی زندہ مثالیں ہیں۔ ہاں فرق ہے تو یہ ہے کہ اس عہد میں اسلام کے بطل جلیل اس صدی کے مجدد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی شخصیت تھی جنہوں نے اکبری الحاد کا قلعہ قمع کرنے والی شخصیت امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح اپنے عہد کی لادینیت والحاد کا مجاہدانہ مقابلہ کیا اور خوب کیا۔ یہ لادینیت دین کے ٹھیکیداروں کے ذریعہ آئی یا سیاسی بازیگروں کے ذریعہ، سب کا محاسبہ کیا اور سب کی خبر لی، اس راہ میں اگر اپنے احباب بھی آئے تو مراسلت کے ذریعہ پیغام حق پہنچایا اور اپنی منصبی ذمہ داری نبھائی، چنانچہ حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی صاحب سے بھی جب ملی قیادت کے دوران مذہبی چوک ہوئی، اور انہوں نے گاندھی کو مہاتما، عظیم الہند اور اپنی تحریکات کا پیشوا بنایا تو آپ نے گرفت کرتے ہوئے فرمایا:

یارب کہ چہ کردہ فسوں دم گاندھی　　لیڈر پس روامام اقدم گاندھی
درخطب وخط گفت فرنگی محلی　　ہادی گاندھی وروح اعظم گاندھی

خدواوندا! گاندھی نے یہ کیسا سحر کیا ہے کہ مسلمان لیڈران کے پیچھے پیچھے چل رہے ہیں وہ ان کا پیشوا بنا ہوا ہے فرنگی محلی نے اسے اپنے خطبہ وخط میں ہادی اور مہاتما کہا ہے

مولوی اسحٰق علی ظفر الملک نے جب کہا کہ ''اگر نبوت ختم نہ ہوگئی ہوتی تو گاندھی جی نبی ہوتے تو امام احمد رضا نے شرعی نوٹس لیتے ہوئے فرمایا

برلیث اگر ختم شجاعت نہ شدے　　گرگیں جزو اہل ضیغمت نہ شدے
گفتند گاندھی ست نبی بالقوہ　　ایں بودے اگر ختم نبوت نہ شدے

اگر بہادری شیر پر ختم نہیں ہوجاتی جب بھی بھیڑیے کا بچہ شیر جیسا نہ بن سکتا۔ وہ کہتے ہیں گاندھیم میں نبی بننے کی صلاحیت ہے یعنی اگر نبوت ختم نہ ہوگئی ہوتی تو یہ نبی ہوتا (الطاری الداری)

مولانا شوکت علی نے کہا تھا ''زبانی جے پکارنے سے کچھ نہیں ہوتا بلکہ اگر تم ہندو بھائیوں کو راضی کر لو گے تو خدا کو راضی کرو گے۔ اعلیٰ حضرت نے تعاقب کرتے ہوئے فرمایا۔

گفتند اگر کنید خوشنود ہنود   کردید خدائے خویشتن را خوشنود
محکم رسن خدائے گیرد کزو   دیں گرچہ رود ز دست دنیا موجود

مرعوبیت زدہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر ہندوؤں کو خوش کر لو گے تو اپنے خدا کو خوش کر لو گے خدا کی رسی (خوشنڈی ہنود) کو مضبوط پکڑ لو دین اگر ہاتھ سے چلا بھی گیا تو کیا ہوا دنیا تو مل جائے گی۔

عبد الماجد بدایونی نے کہا تھا ''خدا نے ان کو تمہارے لئے مذکر بنا کر بھیجا ہے سبق پڑھانے والا مدبر کر کے بھیجا ہے۔ آپ نے فرمایا۔

گفتہ است مدبر گاندھی   تعلیم کن دین مطہر گاندھی
مبعوث الٰہ از پئے تذکیر شماست   رحمٰن شدہ مرسل مذکر گاندھی

یہ فکری مرعوبیت ہی کا شاخسانہ ہے کہ جناب حسین احمد مدنی نے وطن کو ملت پہ ترجیح دینے کا غیر اسلامی فلسفہ پیش کیا، جس کی کانگریسی علما کے علاوہ ہر طرف سے مخالفت ہوئی۔ حتیٰ کہ ڈاکٹر اقبال کو بھی کہنا پڑا۔ شعر

عجم ہنوز نداند رموز دیں ورنہ
ز دیوبند ابوالحسین ایں چہ بوالعجبی ست
سرود بر سر منبر کہ ملت از وطن ست
چہ بے خبر ز مقام محمد عربی ست
بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی ست

عجمیوں نے ابھی بھی دین کا راز نہ سمجھا ورنہ دیوبند کے حسین احمد مدنی نے منبر پر یہ کیسی غیر اسلامی بات کہی کہ ملت وطن سے ہے یعنی وطن ہے تو ملت ہے، یہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے خبری کی علامت ہے، خود کو مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچاؤ کہ دین وہی ہیں اس در سے دوری بولہبی ہے۔

اس عہد میں سر سید بھی ایسے افکار کے ساتھ رونما ہوئے جس کی مخالفت لازمی امر تھی، انہوں نے تعلیم تہذیب تمدن پہ ایسا شبخوں مارا کہ آج تک مسلم سماج اس کی ٹیس سے کراہ رہا ہے، وہ انگریزوں کی خوشنودی اور ان کی تقلید کے معاملہ میں اتنے متشدد تھے کہ انھوں نے میز کرسی کی حمایت اور دسترخوان کی مخالفت میں کاغذ سیاہ کر ڈالا، مسلمانوں کا یہ اعتراض بلاوجہ نہیں تھا کہ وہ انگریزوں کی تہذیب کی تقلید کے ذریعے مسلمانوں کو کرستان [عیسائی] بنا رہے ہیں، ان مخلصانہ احتساب پر سر سیّد نادم ہونے کے بجائے اعتراض کرنے والوں کو ''قل اعوذیوں'' کہہ کر منھ چڑایا کرتے تھے۔ اعلیٰ حضرت نے ان کا بھرپور احتساب کیا جسے فتاویٰ رضویہ میں دیکھا جا سکتا ہے۔

آج ملک پہ آر ایس ایس کا قبضہ ہے اور قانون کی بالادستی ان کی دہشت گردی کے آگے کمزور پڑتی جا رہی ہے، طاقت کے بل پہ سیاست کو ہوا دینے کی پوری کوشش کی جا رہی ہے، جس کا انسانیت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ خوف و ہراس کا ایک عالم ہے جو امن پسند اقلیتوں کو حراست میں لیے ہوا ہے اور کمزور طبقہ ایمانی تزلزل کا شکار ہے، اس طبقے سے بھی محرومی کے عالم میں کفری جملے نکل جا رہے ہیں۔ دوسری طرف کلمہ گو افراد کا وہ طبقہ ہے جو اپنے جذبۂ ہوس کی تسکین اور نشۂ اقتدار کی طلب میں حکمراں طبقے کی چاپلوسی میں ایسے کلمے ادا کرنا ضروری سمجھتا ہے جس سے دین جائے تو جائے مگر دنیا سلامت رہے۔ حالیہ دنوں میں بہار کے ایک مسلمان منتری کا اسلام مخالف بیان کہ

میں ''جے شری رام کا نعرہ لگاؤں گا، رحیم کے ساتھ رام کو بھی پوجتا ہوں، ہر مذہبی استھان پہ سر جھکاتا ہوں'' اسی تناظر میں دیکھنے کا ہے۔ ان کے اس ذہنیت کی ہر طرف سے زبانی وتقریری بھرپور مخالفت ہوئی اور بات توبہ ورجوع پر بظاہر ختم ہوگئی مگر بظاہر ختم ہوجانے والی یہ بات کبھی ختم ہوسکتی کہ اس طرح کے رجحان کی پیدائش جن بنیادوں پر ہوتی ہے وہ کبھی ختم نہیں ہوسکتی۔

ہندوستان میں ابھی جو مسلم مخالف لہر چل رہی ہے اس سے ایمان والے خوف زدہ نہیں مگر اسلام کا لبادہ اوڑھنے والوں پہ لرزہ طاری ہے، خدا سے زیادہ ان پر باغیِ خدا کا خوف غالب ہے، اور یہ لوگ ظلم کے خلاف صدائے احتجاج کے بجائے چپ رہنے کو ایمان کا حصہ سمجھنے لگے ہیں، دولت کی طلب اور عیش وعشرت کی حسرت ''جواں مردوں سے حق گوئی وبے باکی'' کا جوہر چھین لیتی ہے اور موت کا خوف ہمیشہ اعصاب پہ سوار رہنے لگتا ہے، یہ محسوس حقیقت ہم آج اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں۔ کل سعودی عرب کی دولت نے چور دروازے سے ہمارے بھائیوں کی خوش عقیدگی میں سیندھ مارا تھا آج گورنمنٹ کا عطیہ مدارس اسلامیہ سے ان کا ایمانی جوہر چھین رہا ہے یہی وجہ ہے کہ کفر میں ایمان شرک میں توحید اور حرام میں حلال کا پہلو تلاشنے کا عمل تیز سے تیز تر ہے۔ اصولوں سے سمجھوتہ اور اصول شکنوں سے صلح، اسی دولت کی کارستانی ہے جو جواں مردی کے بجائے بزدلی اور خشیت الٰہی کے بجائے خباثت نفسی پیدا کرتی ہے۔ ایسے عالم آہ وبکا میں جو ذات آگے بڑھ کر قوم کی ملی قیادت اور مذہبی پیشوائی کی کمان سنبھالنے کا فریضہ انجام دے، ظالم کے سامنے حق بات کہنے کا حوصلہ دکھائے اور حکومت سے خوف کھانے کے بجائے ''اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی'' کا مظاہرہ کرے، اسی کو دنیا تاج الشریعہ اور شہزادہ تاج الشریعہ کہتی ہے ع

آفریں باد بریں ہمت مردانہ تو

مرکز اہل سنت بریلی شریف سے ہماری جذباتی وابستگی صرف اس لئے نہیں کہ وہ اعلیٰ حضرت کی آماجگاہ، حجۃ الاسلام کی دانش گاہ، مفتی اعظم کی خانقاہ، مفسر اعظم کی جلوہ گاہ اور تاج الشریعہ کی بارگاہ ہے بلکہ اس لئے ہے کہ جس طرح کل بریلی نے ہمارے ایمان وعقیدہ کے تحفظ اور جوہر ایمان کے تابندگی کی تحریک چلائی تھی آج بھی وہ تحریک زندہ ہے اور ہماری مذہبی وملی پیشوائی کا فریضہ انجام دے رہا ہے۔ ہم اندھی عقیدت میں سرشار نہیں مگر آنکھ بند کر کے اس لئے مرکز پہ اعتماد کرتے ہیں کہ یہاں مرعوبیت نہیں جرأت ایمانی ہے، یاسیت وقنوطیت نہیں یقین محکم ہے اور خوف حکام نہیں بلکہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کا حوصلہ ہے ؎

ہر قوم راست راہے دینے وقبلہ گاہے
من قبلہ راست کردم چوں سمت کجکلا
ہے

ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ ظلم کی عمر بہر حال چھوٹی ہوتی ہے اور اسے فنا کے گھاٹ اترنا ہی پڑتا ہے، تاریخ شاہد ہے کہ ہٹلر اپنی بے پناہ قوت اور قتل عام کی کوششوں کے باوجود یورپ کو نہیں مٹا سکا، روس کی ناقابل شکست طاقت ٹکڑوں میں بٹ گئی، دنیا کا سپر پاور امریکہ ویتنام میں شرمسار ہوگیا، صومالیہ میں اسے منھ کی کھانی پڑی اور عراق میں اس کے پیر اکھڑتے دنیا نے دیکھا۔ دنیا کے کس خطہ کا ظلم باقی رہا کہ ہمارے اردگرد کا ظلم دائمی رہے گا، ظلم کرنے والے دنیا کے نقشہ سے مٹتے رہے ہیں اور انصاف کرنے والوں کو دنیا نے مرنے نہیں دیا اسلام اس کی بہترین مثال ہے۔ ہمیں ہراساں ہونے کے بجائے حق کی آواز پہ لبیک کہنا ہے، بے سروسامانی میں بھی فتح ونصرت عطا فرمانے والی ذات سے تعلق گہرا رکھنے کا ہے کہ یہ رشتہ جتنا اٹوٹ ہوگا کامیابی اتنی ہی یقینی ہوگی۔ یہ وقت عمل کا ہے، تدبر کے ساتھ ایمانی جذبہ کے اظہار کا ہے، صرف سوچنے کا نہیں کچھ کر گزرنے کا ہے ورنہ خدانہ کرے ہمارے لمحے بھر کی خطا صدیوں کی سزا کا ضامن ہوگا اور پھر تاسف کے ساتھ عمر بھر کی سینہ کوبی بھی اس کا کفارہ نہیں بن سکتی۔

دعا بھی صرف عزائم کا ساتھ دیتی ہے
دوائے درد بھی ڈھونڈو فقط دعا نہ کرو

□□□

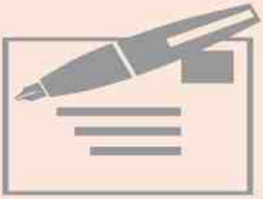

قارئین کے تاثرات

نوٹ: مضامین کی کثرت کے سبب تاثرات روک لیے گئے ہیں، جن حضرات نے اپنے گراں قدر تاثرات ہمیں ارسال کیے ہیں وہ خفا نہ ہوں، ان شاء اللہ اگلے شماروں میں شائع کر دیے جائیں گے۔

پاکستان میں وہ کام نہیں جو پٹنہ میں

■ ڈاکٹر حسن رضا خان پی ایچ، ڈی، پٹنہ
سابق ڈائرکٹر ادارہ تحقیقات عربی و فارسی پٹنہ بہار

جو عالم ایجاد میں ہے صاحب ایجاد
ہر دور میں کرتا ہے طواف اس کا زمانہ

حق و باطل کی کشمکش ازلی حقیقت ہے شیطان نے علم آدم الاسماء کے باوجود حضرت آدم و حوا علیہما السلام کو فریب علم سے شرمندہ کر دیا۔ آج پھر جدید سامراجی قوت ٹکنالوجی کے بل پر تہذیبی اصنام کا فریب دیکر ابلیسی شکنجہ کس نے کی ناکام کوشش کر رہی ہے۔ جدید سرمایہ دارانہ سامراجیت، صیہونیت اور فسطائیت کی پریشانی یہ ہے کہ مادی اعتبار سے سوپر پاور ہونے کے باوجود اسلام آج بھی نظریاتی سوپر پاور ہے، کیوں کہ توحید و رسالت اور یقین آخرت کی بنیاد پر اسلام ہی کے پاس خدا، انسان اور کائنات کے درمیان متوازن رشتے کی کلید ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کی ساری بربریت ساز تنظیمیں ظلم ڈھا رہی ہیں، پوری دنیا کے فسطائی ملکر اسلام پر اور مسلمانوں پر یلغار کر رہے ہیں اس کے باوجود عقل حیراں ہے اور دنیا کے سارے باطل گروہ پریشان ہیں کہ دنیا میں قبولیت اسلام کی شرح مسلسل بڑھتی جا رہی ہے۔

تعلیمی میدان میں عالمی سطح پر امریکی کرن اور ہندوستان گیر سطح پر بھگوا کرن کا حملہ سہ طرفہ حملہ ہے یعنی ہماری تعلیم، تاریخ، اور تہذیب پر براہ راست ہلہ بولدیا ہے۔ الحمد للہ اس یلغار سے پختہ اعتقاد مسلمان سہما ہوا نہیں ہے۔ اس کی ترکش میں ایسے ایسے تیر ہیں کہ سب کے مقابلہ کے لئے کافی ہیں۔ انہیں تیروں میں ایک تیر کا نام امام احمد رضا ہے جو ساری فسطائی طاقت کا جواب رکھتے ہیں۔ دنیا کا کونسا محاذ ہے جس پر لڑنے کی صلاحیت ان کے اندر نہیں؟ وہ ہر محاذ کے ایسے قائد ہیں جو اپنا جواب نہیں رکھتے۔

جب تک دنیا میں رہے ہر طوفان کا رخ موڑ دیا اور جاتے جاتے اپنے ذخیرۂ کتاب کی شکل میں، تلامذہ کی شکل میں اور تربیت یافتہ خلفا کی شکل میں وہ کچھ دے کر گئے ہیں کہ ہر محاذ پر انشاء اللہ ہم حاوی رہیں گے، ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم ان کے بتائے ہوئے فارمولوں پر عمل کرتے رہیں۔

ادارہ القلم بہار پٹنہ کا ایک ایسا ادارہ ہے جو اس مشن کو بروئے کار لانے کیلئے رات دن اپنی کوششیں جاری رکھے ہوا ہے۔ وہ اپنی کوشش سے ملت کے وقار کو بڑھا رہا ہے۔ اس ادارے نے ''رضا بک ریویو'' اور ''الرضا'' دو رسالے نکال کر ثابت کر دیا ہے کہ ہر زمانے میں ہم نے امام احمد رضا کے مشن کو بھرپور تقویت پہونچانے کا کام انجام دیا ہے۔ جب تحریک ندوہ کا مقابلہ تھا تو پٹنہ میں عظیم الشان کانفرنس کر کے یہاں کی خانقاہوں، مدارس کے اساتذہ اور دانشوروں نے ملت کے وقار کو بلند رکھنے کے لئے سرفروشانہ کام کیا۔

بہار نے سب سے پہلے اعلیٰ حضرت کی سوانح مرتب کی، جسے ماخذ تسلیم کیا گیا، آج ضرورت ہے کہ اس ارادے سے کہ اعلیٰ حضرت چودھویں صدی کے مجدد ہیں ان کی سوانح بھی چودہ سو صفحے میں شائع کی جائے۔

سب سے پہلے اعلیٰ حضرت کی شخصیت پر ۱۹۷۲ میں پی ایچ، ڈی کا مقالہ بہار ہی نے دنیائے علم و آگہی کے سامنے پیش کیا جس پر پروفیسر مسعود صاحب علیہ الرحمہ نے لکھا ''آپ نے تو ''آئرن گیٹ' توڑ دیا، ہم عہدے پر رہتے ہوئے پاکستان میں وہ کام

نہیں کرسکے جو پٹنہ میں ہوگیا اور آج مولانا ڈاکٹر امجد رضا امجد اور ان کے رفقائے کار مولانا غلام سرور قادری اور مولانا ڈاکٹر ممتاز صاحبان کو دعائیں دیتا ہوں اور فخر کرتا ہوں کہ ملت کے وقار کو بلند کرنے کیلئے بہت بڑا کام انجام دے رہے ہیں۔ رضا بک ریویو اور الرضا دونوں پوری فضائے علم وآگہی پر اپنا اثر ڈال چکی ہے اللہ تعالیٰ ان فرزندان توحید کو عزت کے قطب منار پر پہونچادے آمین بجاہ حبیبہ الکریم

ادار یہ حقیقت کا آئینہ

مولانا قمر الزماں مصباحی
الجامعۃ الرضویہ پٹنہ

محب محترم جناب ڈاکٹر امجد رضا صاحب قبلہ
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الرضا انٹرنیشنل پٹنہ مئی جون ۲۰۱۷ میری نگاہوں کی زینت بنا ہوا ہے ''تین طلاق کا مسئلہ اور حکومت کا منفی رویہ'' کے عنوان سے آپ کا اداریہ ہندو دھرم میں صنف نازک کے حوالے سے ان کا ظالمانہ سلوک، جابرانہ کردار وافکار کا آئینہ دکھاتا ہے۔ ہمارے ملک میں اسلام دشمن حکومت مسلم خواتین کے تئیں ہمدردی دکھارہی ہے، اس کے پیچھے گندی سیاست اور ناپاک ذہنیت کارفرما ہے ورنہ جو دھرم خود عورتوں کے ساتھ اس قدر ظالمانہ برتاؤ روا رکھتا ہو اس کے ماننے والوں کو یہ کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ اسلام جیسے مقدس، پاکیزہ اور خدا کے بھیجے ہوئے قانون پر انگشت نمائی کرے۔ قابل نفریں پہلو یہ ہے کہ اس جرم میں مسلم کہلانے والا روشن دماغ طبقہ بھی شامل ہے جو دین وشریعت سے دوری کی واضح مثال ہے۔ اداریہ میں جو تاریخی حقائق آپ نے پیش کئے ہیں وہ قابل داد اور تین طلاق کے مسئلہ پہ پریشان ذہنوں کا شافی علاج ہے۔

مولانا بلیاوی سے خصوصی گفتگو نے جانشینان قائد اہلسنت کے حوالے سے جن باتوں انکشاف کیا ہے وہ نہایت حیرت کن ہے ۔ بلاشبہ حضور قائد اہلسنت تاحیات فکر رضا اور مسلک رضا کے سفیر اور جاں باز کمانڈر کی حثیت سے گستاخان رسول کو گھر واپسی کا راستہ دکھاتے رہے۔ رضا اور خاندان رضا سے محبت کا یہ عالم کہ اس عظیم دولت کا زندگی کے کسی موڑ پہ سودا نہ کیا جس کی زندہ مثال جماعت کے ایک مشہور خطیب کی ہے کہ بریلی سے تھوڑی سی کج فکری دیکھی ادارہ سے برطرف کردیا۔ ان کی یہ صلابت ایمانی تھی جس نے انہیں اپنے اکابر کی بارگاہ میں مقبولیت عطا کی۔ اور میں پورے یقین کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ وہ آج اپنی تربت میں عشق رضا کے صدقے بڑے چین کی نیند سورہے ہوں گے، مگر ان کے جانے کے بعد اتنی جلد ان کے صاحبزادگان اپنے والد کے فکری محور سے متصادم ہوں گے حاشیہ خیال میں بھی نہیں تھا۔ خدائے تعالیٰ ہدایت عطا فرمائے آمین

ترویج مسلک رضا کی جانگسل آرزو کو سلام

مولانا عبدالرزاق پیکر رضوی: پٹنہ

جس مذہبی وعلمی رسالے کی جڑ زمین سے وابستہ ہوتی ہے وہ ہمیشہ سبز وشاداب رہتی ہے- اس کی شاخیں ہر موسم میں پھلتی پھولتی رہتی ہیں، اس کی فصل بہار کو خزاں کی آنکھ نہیں لگ سکتی اور نہ اس کے لئے زمانے کی نظر تنگ ہوسکتی ہے- اس طرز کے رسالے نظروں کی وادی سے گزرتے ہیں اور ذہن وفکر کی وسعتوں پر چھا جاتے ہیں، وہ محدود وسائل کے باوجود بہت جلد سنجیدہ قارئین تک پہنچ جاتے ہیں بل کہ ان کے لئے نگاہیں منتظر رہتی ہیں- سنجیدہ قارئین کی تلاش میں ہی رسالوں کی اصل زندگی مضمر ہے اور اس تلاش کی اہمیت وافادیت بعض اسباب کے پیش نظر مذہبی رسالوں کے لئے مزید دوچند ہوجاتی ہے- یہ امر کسی بالغ نظر سے پوشیدہ نہیں کہ مذہبی رسالے خاص کر اہل سنت وجماعت کے علمی رسالوں کی اشاعت محض ایثار وقربانی کے بےلوث جذبوں پر قائم ہے، ان سے تحصیل زر ومال کی توقع بالکل فضول ہے، یہ ایک زبردست حقیقت واقعہ ہے- اگر اس درد دل کو سراہنے والے گرد ونواح میں موجود ہوں تو اپنا خون دل ارزاں کرنے میں بھی لطف وسرخوشی کا پاکیزہ احساس ہوتا ہے مگر جہاں اس نعمت کا فقدان ہو، وہاں مدیران محترم کو ہر سانس قتل گاہوں سے گزرنا پڑتا ہے- فی الحقیقت مذہبی رسالوں کی اشاعت ''بیٹھ کر خون جگر'' پینے کی منزل ہے اور یہ ہر دیوانے کا کام نہیں، ماہنامہ ''الرضا'' کے اشاعتی تسلسل کو دیکھ کر مجھے بیحد روحانی مسرت کا احساس ہوتا ہے کہ باد

مخالف میں بھی آپ کے حوصلوں کا چراغ روشن ہے اور بہ طریقہ احسن اس پلیٹ فارم سے مسلک رضا کی ترویج اور تحفظ و دفاع کا فریضہ انجام پا رہا ہے- میں آپ کے بے لوث جذبہ دینی اور ترویج مسلک رضا کی جانگسل آرزو کو سلام عقیدت پیش کرتا ہوں اور دل کی اتھاہ گہرائیوں سے دعا گو ہوں کہ قدرت قدم قدم پر آپ کی دستگیری فرمائے اور بازوؤں کو توانائی، حوصلوں کو اڑان، رگوں کو حرارت، جذبوں کو بیتابی، تمناؤں کو وسعت، فکر ونظر کو بلندی اور پائے ہمت کو استقلال و استقامت عطا فرمائے-

ماہنامہ ''الرضا'' کی تمام تر دلچسپیوں کا محور اداریہ ہے جو اہم دینی وعصری سلگتے ہوئے مسائل پر محتوی ہوتا ہے- حسب روایت ماہ جون و جولائی 2017 کا اداریہ بھی موضوع کے اعتبار سے اہم اور فکری جولانیوں کے لحاظ سے نہایت دلآویز و پرکشش ہے، رشحات خامہ سے جہاں علم ودانش کی پائیداری جھلک رہی ہے وہیں ان میں رضا کی فیض رسانی بھی جلوہ آرا نظر آرہی ہے- ''الرضا'' کے تمام اداریوں کو کتابی پیرہن مل جائے تو ان کی افادیت ونفع بخشی میں اضافہ ہوگا- موجودہ شمارے کا اداریہ جو طلاق ثلاثہ اور حکومت کے منفی رویئے پر مشتمل ہے، اس میں جہاں آپ نے اس دینی مسئلے کا ہمہ جہت و مفکرانہ خلاصہ پیش کیا ہے اور قرآن وسنت کے روشن بیانات کے ہر پہلو کا بے لاگ اور دلکشا تجزیہ کیا ہے وہیں حکومت ہند کے منفی کردار وعمل کی آئینہ داری بھی کی ہے پھر اسے یہ باور کرانے کی کوشش بھی کی ہے کہ مسلم خواتین سے جذبہ دینی کا تقاضہ ہے کہ ملک میں پھیلے ہوئے دار القضا کے فیصلوں کو نافذ العمل قرار دے کر آئینی انصاف کا راستہ بھی ہموار کیا جائے- اداریہ کے تمہیدی پیراگرافوں سے آپ کے بالغ سیاسی شعور وآگہی کے ساتھ اس بات کا بخوبی احساس ہوتا ہے کہ آپ کو تیر افگنی اور ملیح طنز ومزاح کے خوبصورت ہنر پر بھی مہارت حاصل ہے-

''تنقید واحتساب'' کے باب میں شامل وقیع مضمون ''خداوندا! یہ تیرے سادہ دل بندے کہاں جائیں'' جسے مفتی ذوالفقار خاں نعیمی صاحب نے تحریر فرمایا ہے، اس میں انہوں نے جناب سید سبطین میاں کے انکار حدیث افتراق امت پر مشتمل غیر سنجیدہ گفتگو پر نہایت سنجیدہ گفتگو فرمائی ہے اور مستند محدثین وفقہا، علماء ومشائخ خاص کر بزرگان مارہرہ شریف کی روشن تعلیمات کی روشنی میں احقاق حق وابطال باطل کا خوبصورت فریضہ بھی انجام دیا ہے۔ گزشتہ سے پیوستہ کی تحت پانچ صفحات پر مشتمل یہ مضمون جو ابھی نامکمل ہے لیکن اپنی خصوصیات ومحاسن کے لحاظ سے نہایت مدلل ومبرہن ہے، باقی ماندہ یہ علمی محاسبہ آئندہ شمارے میں بھی شمولیت کا بھرپور جواز رکھتا ہے- محترم میثم عباس قادری رضوی کے مضمون سے نواب صدیق حسن کے خانگی حیرت انگیز و شرمناک بوالعجبیوں کا علم ہوا اور یہ بھی علم ہوا کہ طبقہ اہل حدیث کے فضائل میں تاریخ گڑھنے والا یہ فراڈ مورخ اتنا بڑا ''کذاب و دیوث'' واقع ہوا ہے- سارے دعوے ادھر ادھر سے نہیں بل کہ خود وہابی دھرم کی مستند کتاب ''مآثر صدیقی'' کے حوالوں سے مزین ہیں اس لئے مجال انکار کی کوئی گنجائش بھی نہیں، واقعہ یہ ہے کہ دنیا میں وہابی دھرم سب سے زیادہ اوباش اور بے شرم و بے حیا دھرم ہے، خدا اشرفا کو اس سے بچائے- محمد احمد ترازی کا محاسباتی مضمون بھی قابل قدر اور لائق مطالعہ ہے، موصوف نے اپنے مضمون میں غیر مقلد قلمکار تنزیل صدیقی کی جانب سے جامع العلوم پروفیسر سید محمد سلیمان اشرف بہاری علیہ الرحمہ کی بلند وبالا شخصیت پر وسیع المشربی اور صلح کلیت جیسے سنگین الزامات کی بخیہ گری کی ہے اور تاریخی شواہد سے مجرم کو کیفر کردار تک پہنچا دیا ہے-

باب ذکر وفکر میں باریاب ہونے والے تینوں مضامین بھی خوب سے خوب تر اور نہایت نفع بخش ہیں- اس مرتبہ باب مصاحبہ میں سابق ممبر پارلیامنٹ حضرت مولانا غلام رسول بلیاوی صاحب صدر ادارہ شرعیہ کے بھاری بھرکم انٹرویو سے ملاقات ہوئی- ان کی گفتگو سے مرکز اہل سنت بریلی شریف سے والہانہ محبت وعقیدت اور مسلک رضا کی ترویج وتحریک سے پرجوش جذبوں کا اظہار ہوتا ہے، ان کی خصوصی گفتگو کا پیراگراف جس سے الرضا کا سرورق مزین ہے، اس سے نہ صرف مذہب ومسلک کے لئے مجاہدانہ جذبہ عزم واستقلال کے چشمے ابل رہے ہیں بل کہ اس سمت میں کام کرنے والوں کے حوصلوں کو خوب توانائی بھی ملتی ہے- آپ نے انٹرویو میں ایسے سوالات قائم کئے ہیں کہ محترم موصوف کے دل میں دبی سچائیاں اور چنگاریاں جوابات کی صورت میں قارئین تک بحسن وخوبی پہنچتی ہیں- انہوں نے مسلک رضا کے

خلاف موجودہ مہربان مخالفین کے فکر ونظر پر نئے زاویئے سے روشنی ڈالی ہے جو حوصلوں اور امنگوں کے ساتھ جذبہ اخلاص و ہمدردی کو بھی جلا بخشتی ہے۔

مطالعہ رضویات میں اس مرتبہ دو مضامین نے شمولیت کا اعزاز حاصل کیا ہے، پہلا مضمون جو قاری لقمان شاہد کا ہے، نہایت پراسرار و دلچسپ ہے اس میں انہوں نے ترجمہ کنزالایمان کا عروضی نقطہ نظر سے جائزہ لینے والے محقق سے ہماری ملاقات کرائی ہے، یہ نیا زاویہ ترجمہ کنزالایمان کی عالمگیر عزت وعظمت میں اضافہ کا باعث ہے جب کہ دوسرا مضمون محمد کیف رضا قادری نے حضور تاج الشریعہ کی عبقری شخصیت کے حوالے سے مرقوم کیا ہے اس کی تمام مندرجات بھی پرکشش ہیں۔ حضرت مولانا محمد میاں کامل سہسرامی کی لاجواب تصنیف ''نجد سے سہارن پور تک'' کو میزان مطالعہ پر لاکر بہت عمدہ کام کیا یہ کتاب بہت کمیاب ہوچکی تھی جس کی ہمیشہ مارکیٹ میں طلب رہی ہے۔

مجموعی اعتبار سے یہ شمارہ بھی مواد کے اعتبار سے دستاویزی حیثیت رکھتا ہے۔ طباعت معیاری اور ٹائیٹل جاذب نظر ہے، جملہ مشمولات کے انتخاب سے آپ کی مدیرانہ صلاحتیں روشن ہیں خداوند تعالی مزید برکتوں سے نوازے۔

عصری اسلوب میں اظہار حق کرنے والا رسالہ

ڈاکٹر ممتاز احمد رضوی

آج مورخہ ۲۲ مئی کو القلم فاؤنڈیشن میں ''اسلامی کا کال سنٹر'' کے افتتاح کے موقع پر حاضر ہوا۔ محب گرامی ڈاکٹر امجد رضا امجد صاحب نے الرضا انٹرنیشنل مطالعہ کے لیے عنایت فرمایا اس سے پہلے بھی اس کے کئی شمارے کو دیکھنے پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ مگر تاثر لکھنے کا اتفاق آج ہوا ہے۔ اس رسالے کے اجرا کا مقصد یہ باور کرانا ہے کہ امام احمد رضا کے عقائد ونظریات اور ان کی تعلیمات دین وایمان کی حفاظت کا محفوظ قلعہ ہیں، ادھر کچھ دنوں سے عصری اسلوب تحریر سے متاثر چند نوجوان عالم دین شعوری یا لاشعوری طور پر اس شبہ کے شکار ہو گئے کہ اب اعلیٰ حضرت کے فقہ وفتاویٰ اور عقائد ونظریات کے ساتھ موجودہ دور میں زندگی گزارنا مشکل ہے نتیجہ کی شکل میں جو محاذ آرائی ہوئی اور ملت میں جو انتشار برپا ہوا، اس کے اثرات آج بھی دیکھے جا سکتے ہیں اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔

الرضا انٹرنیشنل، امام احمد رضا کے عقائد ونظریات، اور علمائے اہلسنت کے موقف ومسلک کا اثبات عصری اسلوب میں کرتا ہے۔ عصری اسلوب تحریر سے مرعوب ہونے کے بجائے بڑی خوش اسلوبی سے اپنے موقف کو رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بڑے کم وقت میں رسالہ نے اہل علم اور ارباب تحقیق کی نگاہ میں اپنی وقعت بنالی ہے۔

مارچ، اپریل کا شمارہ پیش نظر ہے اداریہ جماعت اہلسنت کے اختلاف کی بنیادوں وجوہات کو سامنے لاتا ہے اور مدیر نے اس بات کو ملت کا ناسور قرار دیا ہے کہ مسلم نمائندگی کے اہم مراکز، خانقاہ، اور درسگاہ میں برتری کی جنگ ہو۔ خانقاہ اور درسگاہ میں آج جو برتری کی جنگ اور ہم چنیں دیگرے نیست، کا نعرۂ دلخراش ہے۔ وہ امت مسلمہ کی تباہی کا پیش خیمہ ہے۔

اس شمارے کے مضامین کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ پورا رسالہ ایک موضوع سے مربوط ہے جن لوگوں کی تحریر وتقریر سے ملت منتشر ہورہی ہے ان کے احتساب کو موضوع بنا کر حالات کو قابو میں کرنے کی کوشش کی گئی ہے، جیسے مفتی ذوالفقار خاں رضوی نے ایک شخص کی غیر سنجیدہ گفتگو کا سنجیدہ نوٹس لیا ہے۔ بدعقیدوں نے اس فکر کو بڑی ہوا دی ہے کہ ہندوستان میں اہل قبلہ کی تکفیر میں اعلیٰ حضرت غیر محتاط میں یہ نظریہ سراسر غلط نظریہ ہے جس کا حقیقت سے دور کا واسطہ نہیں۔ اسی کو فکر فتاویٰ امارت شرعیہ میں مولانا عبد الکافی کے حوالے سے، مولانا ابوالمحاسن سجاد صاحب نے احجا گر کرنے کی کوشش کی ہے، ڈاکٹر امجد صاحب نے حکم تکفیر میں امام احمد رضا کے احتیاط کو ذیلی طور پر بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ ''ان تصریحات سے یہ بھی مترشح ہے کہ تکفیر کے معاملے میں امام احمد رضا کتنے محتاط تھے''

ڈاکٹر غلام مصطفےٰ نجم القادری نے ''اتحاد کا قاتل کون''، مضمون میں قرآن وسنت کے حوالے سے راہ اتفاق کی راہنمائی کی ہے، انداز بیان کی دلکشی موصوف کے خلوص کو واضح کرتی ہے کہ وہ ملت میں اتحاد کے خواہاں ہیں۔ جس ملت میں انتشار ہو معاشی اور سیاسی اعتبار سے اس کی تنزلی یقینی ہے۔ اس کے کچھ گوشے محب گرامی

مولانا طارق نے پیش کیے ہیں۔

بہار کا مشہور فقہی و شرعی ادارہ، ادارہ شرعیہ ہے اور اس کے صدر مفتی، مفتی حسن رضا صاحب ہیں۔ اس شمارہ میں مفتی صاحب کا انٹرویو شامل کیا گیا ہے۔ اس انٹرویو سے محققین کو بڑا فائدہ ہوگا کہ وہ بہار کے قابل فخر فقہی ادارہ کے مفتی کی زندگی کو خود ان کے بیان سے جان سکیں گے۔ انٹرویو میں یہ اقتباس پڑھ کر بہت افسوس ہوا کہ بریلی شریف کے "شرعی کونسل" اور اشرفیہ کے "مجلس شرعی" کے سیمنار کی دعوت یہاں نہیں آتی۔ آنی چاہیے اس لیے کہ یہ بہار کا نمائندہ ادارہ ہے۔

مولانا ملک الظفر سہسرامی کا مضمون کنز الایمان پسند آیا، ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی کا مضمون مشینری اختلاف کے دور میں بہت اہم اور غلط فہمی دور کرنے میں معاون ہے میثم عباس قادری صاحب نے سوشل میڈیا پر ہونے والے بحث کو فضاؤں میں تحلیل ہونے سے محفوظ کرنے کا کام کیا ہے۔ دعا ہے اللہ تالی رسالہ کو عمر طویل عطا فرمائے۔

الرضا انٹرنیشنل پٹنہ کا فکر انگیز اداریہ

■ سید شاہ نصر الدین بلخی فردوسی:
خانقاہ بلخیہ فردوسیہ پٹنہ

ڈاکٹر مفتی محمد امجد رضا امجد علمی و دینی بصیرت رکھنے والے معتبر عالم دین اور صاحب قلم ہیں۔ فقہ اسلامی پر گہری نظر ہے۔ موصوف ادارہ شرعیہ پٹنہ میں قاضی کے عہدہ پر ایک عرصہ سے اپنی خدمات انجام دیتے آرہے ہیں۔ ملک اور بیرون ملک میں شائع ہونے والے مختلف رسائل و جرائد میں امجد رضا صاحب کے مضامین اکثر و بیشتر شائع ہوتے رہتے ہیں۔ زیر نظر مضمون تین طلاق کا مسئلہ اور حکومت کا منفی رویہ پٹنہ سے شائع ہونے والا دو ماہی رسالہ الرضا انٹرنیشنل کا شمارہ مئی، جون ۲۰۱۷ء کا اداریہ ہے جسے امجد رضا نے رقم کیا ہے۔ محترم اس رسالہ کے مدیر اعلیٰ ہیں جسے وہ نہایت ہی اہتمام کے ساتھ شائع کررہے ہیں۔ ان دنوں تین طلاق کے مسئلہ کو میڈیا اور حکومت ہند نے ہتھیار کے طور پر استعمال کیا ہے اور اس کے ذریعہ مذہب اسلام پر حملہ کیا جارہا ہے۔ مودی سرکار یہ ثابت کرنا چاہتی ہے کہ طلاق کا تصور مذہب اسلام میں ظلم کی حیثیت رکھتا ہے۔ جسے مرد عورتوں پر ظلم ڈھانے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ المیہ یہ ہے کہ ملک کا عدلیہ بھی فرقہ پرستوں اور میڈیا کے دام فریب میں آکر اس ضمن میں غیر منصفانہ فیصلہ صادر کرتا ہے جو مسلم پرسنل لا پر براہ راست حملہ ہے۔ مختلف ملی تنظیموں نے اس سلسلہ میں پورے ملک میں بیداری مہم چلائی ہے جس کا مقصد مسلمانوں کو شریعت اسلامیہ کے تعلق سے بیدار کرنا ہے۔ علمائے کرام نے اس موقع پر مسلم پرسنل لا کی اہمیت و ضروت پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ ڈاکٹر امجد رضا کا تحریر کردہ مذکورہ اداریہ اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ لیکن جس عالمانہ اور مدبرانہ انداز میں موصوف نے اسے رقم کیا ہے وہ آپ اپنی مثال ہے۔ طلاق سے متعلق مسائل پر اس انداز میں گفتگو کی ہے جس سے قارئین کو تشفی بخش جواب مل سکے۔ انہوں نے اداریہ میں جہاں حکومت ہند کو نشانہ بنایا ہے وہیں میڈیا کے رول پر بھی سخت نکتہ چینی کی ہے:

> "آج میڈیا اپنی سطح سے نیچے آکر حکومت کا وکیل بن گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج ملک کا تقریبا ہر چینل مودی و یوگی کے اشارۂ ابرو پر اس طرح تھرکتا ہے جیسے داشتائیں چند سکوں کے لیے گراہکوں کے اشارہ پر تھرکتی ہیں۔"

اسلام نے عورتوں کو جتنے حقوق دیے ہیں وہ دنیا کے کسی بھی مذہب میں نہیں ہیں۔ اس حوالہ سے موصوف لکھتے ہیں:

> "عورتوں کے انصاف دلانے اور مساوات کے نام پر اس کی عزت و حرمت کا سودہ کرنے والے ایک بار سنجیدگی سے اپنے فرسودہ نظام پر منصفانہ نظر ڈالیں کہ ان کے یہاں تقدیر، طوفان، موت، جہنم، زہریلے سانپ سے زیادہ خطرناک عورت کو بتایا گیا ہے۔" (ستیارتھ پرکاش ص ۱۱۳)

مسئلہ طلاق اور اسلامی احکامات کے حوالہ سے ڈاکٹر امجد رضا صاحب نے بہت ہی مدلل انداز میں طلاق کو ناپسندیدہ عمل بتاتے ہوئے اس کی ضرورت کو ظاہر کیا ہے۔ خاص طور پر قرآنی احکامات کی روشنی میں اس موضوع کو سمجھایا ہے۔ ساتھ ہی ایک نشست میں

تین طلاق کے واقع ہونے پر صحابہ کرام کے اتفاق کو دکھایا ہے:

> ''صاحب فتح الباری نے لکھا ہے کہ حضرت عمر کے دور خلافت میں اس مسئلہ پر اتفاق ہو چکا ہے کہ تین طلاقیں تین ہی ہیں اور صحابہ کرام کا قولی و فعلی دونوں قسم کا اجماع اس پر ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر اسقلانی لکھتے ہیں کہ اب اس مسئلہ پر اختلاف کرنا مردود ہے۔'' (جلد ۹ ص ۲۹۳)

حکومت ہند کو نشانہ بناتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے بہت ہی تیکھے انداز میں تحریر کیا ہے کہ حکومت طلاق کے ذریعہ مسلمانوں کو پریشان کر رہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پوری دنیا میں اور خود ہندوستان میں طلاق شدہ عورتوں کی تعداد مسلمانوں میں سب سے کم فیصدی ہے۔ موصوف نے اعداد شمار پیش کیا ہے جس سے یہ بات بخوبی سمجھ میں آسکتی ہے۔ اداریہ کا یہ اقتباس سب سے زیادہ زور آور ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

> ''اسلام مخالف طبقہ کا رونا بھی ایک ڈھکوسلا ہی ہے کہ اکھٹے تین طلاق دینے سے عورت بے سہارہ ہو جاتی ہے۔ کیا شوہر کے مرنے پر عورت بے سہارا نہیں ہو سکتی ہے؟ تین طہر میں الگ الگ تین طلاقیں دینے سے عورت بے سہارا نہیں ہو سکتی ہے؟ بے قصور مسلمانوں کو سلاخوں کے پیچھے رکھنے سے عورت بے سہارا نہیں ہوتی؟ فسادات میں شہید کرا دینے سے عورت بے سہارا نہیں ہوتی؟ مسلمانوں کے روزگار چھیل لینے سے عورت بے سہارا نہیں ہوتی؟ طلاق کے ذریعہ آنے والی پریشانیوں کا حل تو شریعت نے رکھا ہے مگر حکومت جن عورتوں کو بے سہارا کر دیتی ہے اس کی شکایت کس سے کی جائے؟ کون اس کی فریاد سنے؟ حکومت عورتوں کے انصاف کے نام پر گھڑیال کے آنسو بہانہ چھوڑ دے اور اگر وہ اس طبقہ کی پریشانیوں کا ازالہ سچے دل سے کرنا چاہتی ہے تو ان کے باپ، بھائی اور شوہر کے جان و مال، عزت و آبرو اور دین و شریعت کو تحفظ دے دے کہ اس کے بغیر نہ اسے انصاف مل سکتا ہے اور نہ ہی اسے سکون کی گھڑیاں میسر آسکتی ہیں۔''

ڈاکٹر مولانا امجد رضا امجد کا اداریہ طلاق کے موضوع پر مدلل اور فکر انگیز تحریر ہے۔ مسئلہ طلاق کی تفہیم و تعبیر میں ان کا یہ مضمون نہ صرف خواص کے لیے بلکہ عام قارئین کے لیے بھی مفید ہے۔

صلح کلیت زدہ ماحول میں اظہار حق

■ مولانا محمد تحسین ضیا مصباحی

مدرس الجامعۃ الرضویہ مغلپورہ پٹنہ سیٹی (بہار)

فخر صحافت ڈاکٹر امجد رضا صاحب قبلہ۔۔ سلام مسنون

تقریبا دو سال سے ''الرضا انٹرنیشنل'' کا ذکر سنتا آرہا ہوں مگر زیارت سے محرومی رہی۔ ابھی شوال میں عظیم آباد کی مرکزی دینی درسگاہ الجامعۃ الرضویہ میں تدریسی خدمات پر مامور ہوا تو اس کے مطالعہ کی سعادت میسر آئی۔ پڑھنے کے بعد طبیعت مچل اٹھی، سچ پوچھئے تو الرضا انٹرنیشنل اپنے تمام تر مشمولات کے ساتھ اپنی نوعیت کا نہایت معیاری رسالہ ہے جس کی مسلسل اشاعت پر آپ مبارک بادی کے مستحق ہیں۔

اس رسالے کی سب سے بڑی خوبی مسلک حق یعنی مسلک رضا کا فروغ ہے، آج کے صلح کلیت زدہ ماحول میں اظہار حق اور وہ بھی پوری جرات ایمانی کے ساتھ کسی جہاد سے کم نہیں ہے۔

ابھی مئی، جون ۲۰۱۷ء کا شمارہ میری نگاہوں کے سامنے ہے جس میں آپ کا اداریہ ''تین طلاق کا دینی مسئلہ اور حکومت کا منفی رویہ'' بہت خوب ہے خاص طور سے مسئلہ طلاق اور اسلامی احکامات اور دنیا میں طلاق کا رجحان اور مسلمان کے ضمن میں بیان کی گئ باتیں کافی معلوماتی ہیں۔

حکومت ہند کا گلے پھاڑ پھاڑ کر مسلم خواتین کے تئیں ہمدردی جتانا مکمل دھوکا ہے جو شفقت و محبت، رافت و رحمت کا درس عورت حوالے سے اسلام نے دیا ہے دیگر مذاہب کا دامن ان چیزوں یکسر خالی ہے

مولانا لقمان شاہد پاکستان کا مضمون ''عقل حیران فی اسرار ترجمہ کنز الایمان'' پڑھ کر حیرت ہوئی۔ بلا شبہ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ عالم اسلام کے عظیم دینی اسکالر کا نام ہے جن کی تہہ در تہہ

شخصیت پر ہر جہت سے کام ہونا چاہئے ترجمہ کنز الایمان عروضی تجزیہ کیلئے مولانا مرزا امجد رازی پوری جماعت کی طرف سے مبارک بادی کے مستحق ہیں۔

تنقید واحتساب کے کالم میں جناب سبطین حیدر کے خیالات علم دین سے عدم واقفیت کا حیرت انگیز نمونہ ہے اگر یہ بات واقعی سچ ہے جو مفتی ذوالفقار عالم صاحب کی تحریر سے ظاہر ہے تو یقینا تشویشناک ہے۔

اس شمارے میں ابوالرضا میثم عباس قادری اور محمد احمد ترازی کے مقالے حقائق سے پردا اٹھانے والے ہیں، وہیں محمد کیف رضا قادری اور مولانا طارق انور مصباحی کے مضامین بھی سراہے جانے کے قابل ہیں۔

دعا ہے کہ یہ رسالہ خدا اور رسول جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں مقبول ہو اور اسلام وسنیت اور مسلک رضا کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کرے۔ ع

ٹھیک ہو نام رضا تم پہ کروڑوں درود

طلاق کے موضوع پہ دل پذیر اداریہ

مولانا عبدالصمد مصباحی
اتر دیناج پور بنگال

ناشر رضویات ڈاکٹر مفتی امجد رضا امجد صاحب قبلہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

''الرضا'' کا شمارہ نمبر ۹ پڑھنے کو ملا، پڑھتے ہی روح جھوم اُٹھی، چہرے کی بشاشت بڑھ گئی، دل متاثر ہو کر کہنے لگا ''الرضا'' زمانے کو حقیقت کا آئینہ دکھانے والا اور گوناگوں خوبیوں کا حامل ہے، شاید یہی وجہ ہے کہ اتنی قلیل مدت میں عروج وارتقا کی منزلیں طے کرتا ہوا نظر آ رہا ہے، یہ شمارہ قاری کو کافی معلومات فراہم کرتا ہے نیز حکومتی سطح پر اسلام کے جن مسلمہ مسائل اور ہمہ گیر قانون کو موضوع سخن بنا کر مسلمانوں کے جذبات سے کھلواڑ کیا جا رہا ہے ''الرضا'' اس کی بھرپور مدافعت کرتا ہے۔ بلاشبہہ یہ اسلام اور مسلمانوں کا نمائندہ رسالہ ہے جس کی قدر کی جانی چاہئے اور کی جا رہی ہے۔

آپ نے اداریہ میں حکوت اور میڈیا کو ان کی کارستانی کا بہترین آئینہ دکھایا ہے موجودہ حکومت نے اب تک ایسا کوئی کام نہیں کیا ہے جسے بطور مثال عوام کے سامنے پیش کرسکے اس لئے مسلمانوں کے پرسنل لا کو موضوع سخن بنا کر دراصل اپنی ناکامیوں پر پردہ ڈالنا چاہا ہے اور آپ نے یہ بھی صحیح کہا کہ طلاق ثلاثہ کے معاملے کو میڈیا اور حکومت اس انداز سے لوگوں کے سامنے پیش کرتی ہے جیسے پورے ملک کی ترقی اسی پر منحصر ہے۔

جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ یک بارگی تین طلاق دینے سے عورت بے یار و مددگار ہو جاتی ہے، اُنہیں آپ نے جس انداز میں جواب دیا ہے وہ بڑا دل پذیر ہے، آپ نے لکھا ہے کہ''

> اسلام مخالف طبقہ کا رونا بھی ایک ڈھکوسلا ہی ہے کہ اکٹھے تین طلاق دینے سے عورت بے سہارا ہو جاتی ہے۔ کیا شوہر کے مرنے سے عورت بے سہارا نہیں ہوتی ہے؟ بے قصور مسلمانوں کو سلاخوں کے پیچھے رکھنے سے عورت بے سہارا نہیں ہوتی ہے؟ فسادت میں شہید کرا دینے سے عورت بے سہارا نہیں ہوتی ہے؟ مسلمانوں کے روزگار چھین لینے سے عورت بے سہارا نہیں ہوتی؟ طلاق کے ذریعہ عورت کو پیش آنے والی پریشانیوں کا حل تو اسلام نے رکھا ہے مگر جن عورتوں کو حکومت بے سہارا بنا دیتی ہے اس کی شکایت کس سے کی جائے؟ کون اس کی فریاد سنے؟

اس شمارے کا انٹرویو بھی دم دار اور زوردار ہے، مولانا غلام رسول بلیاوی نے علامہ ارشد القادری کی یادگار فیض العلوم، مکہ مسجد اور جامعہ نظام الدین اولیا کے ذمہ داروں کو قرار واقعی آئینہ دکھایا ہے جس کے لئے وہ مبارک بادی کے مستحق ہیں۔ اسی طرح دیگر کالموں میں جو مقالے شامل ہیں وہ بھی حالات کے تناظر میں ہیں اور جو کسی نہ کسی جہت سے پڑھنے والوں کو فائدہ پہنچا رہے ہیں۔ اللہ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ اس رسالہ کو دوام بخشے۔ آمین

الرضا ہشت پہلو ہیرے کی طرح ہے

مولانا محمد اویس رضا قادری
فیض العلوم جمشید پور جھارکھنڈ

زینت صحافت ڈاکٹر امجد رضا امجد صاحب قبلہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دوماہی ''الرضا'' کا مئی اور جون کا شمارہ پڑھنے کا موقع ملا، یہ رسالہ اپنی معنوی وصوری دونوں خوبیوں میں اپنی نظیر آپ ہے، ایک چھوٹی سی مدت میں یہ اتنی بلندی پر پہنچا ہے کہ علمی حلقوں میں چاروں طرف اس کی دھوم ہے۔ مدارس، خانقاہ اور عصری دانش گاہ ہر جگہ لوگ اسے ہاتھوں ہاتھ لے رہے ہیں،

رسالہ کی مقبولیت اور طلب کا یہ عالم ہے کہ یہ جس کے ہاتھ لگ جاتا ہے وہ دینے کا نام ہی نہیں لیتا۔ پچھلے سال ہی کی بات ہے مجھے یہ رسالہ اپنی الماری میں چھپا کر رکھنا پڑا تھا، اگر میں یہ کہوں کہ یہ رسالہ ایسے ہشت پہلو چمکدار ہیرے کی مانند ہے کہ اسے جس رخ سے دیکھا جائے یا پڑھا جائے تو ایک نئی آب وتاب اور نئی کرنیں پھوٹتی ہوئی نظر آتی ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ خصوصاً اداریہ کا کالم تشنگی اور بڑھا دیتا ہے، اور فکر اس انتظار میں لگ جاتی ہے کہ اب اگلا شمارہ کب آئے گا۔

اداریہ ''تین طلاق کا دینی مسئلہ اور حکومت کا منفی رویہ'' میں جو کچھ آپ نے لکھا وہ مبنی بر حقیقت ہے، اس میں جن پہلوؤں پر گفتگو ہے وہ آپ کی فقیہانہ بصیرت، علمی وجاہت اور مفکرانہ صلاحیت کا منھ بولتا ثبوت ہے، بفضلہٖ تعالیٰ آپ صاحب لسان وفکر ہونے کے ساتھ پیکر ایثار واخلاص بھی ہیں۔ آپ کے ادارت میں چھپنے والا یہ رسالہ اپنے ہر ایک کالم میں کہیں نہ کہیں احیائے قرآن وسنت اور مسلمانوں کے متعلق وقت وحالات کے عین مطابق مضامین پیش کرتا ہے۔

پیش نظر شمارے میں قرآن وسنت اور فکر وتدبر کے بہت سے جواہر پارے دیکھنے کو ملے، تنقید واحتساب کے کالم میں مولانا ذوالفقار نعیمی اور میثم عباس قادری محمد احمد ترازی کے مضامین نہایت ہی تحقیقی ہیں اور اسی طرح ذکر وفکر کے کالم میں مولانا محمد احمد رضا مولانا طارق انور اور حافظ ہاشم قادری کے مضامین کافی معلوماتی ہیں، مصاحبات کے کالم میں غازیٔ ملت کا انٹرویو کافی معلوماتی اور سبق آموز ہے، اور رضویات کا کالم تو ہمیشہ شمارے کی شان اور جان رہتا ہے، لہذا اس میں قاری لقمان شاہد صاحب کا کنز الایمان اور تاج الشریعہ کے حوالے سے مولانا کیف رضا قادری نے چار چاند لگا دیئے۔

اللہ رب العزت جلا جلالہ سے دعا ہے کہ اس رسالہ کو نظر بد سے اور آپ کو حاسدین کے حسد سے اور معاندین کے عناد سے محفوظ فرمائے اور مدیر ومراد دونوں کو عمر طویل فرمائے۔ آمین

الرضا ایک رسالہ نہیں تحریک ہے

■ محمد کیف رضا قادری، سیتاپور یوپی

فخر صحافت محقق رضویات علامہ ڈاکٹر مفتی امجد رضا امجد قبلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمد للہ ناچیز الرضا کا مسلسل قاری ہے۔ ہر نئے شمارے کا بڑی شدت سے انتظار رہتا ہے۔ حسب سابق ٹیلی گرام سے مارچ اپریل ومئی جون کے شمارے ڈاون لوڈ کر کے پڑھا، تمام مضامین عمدہ ہیں۔ خصوصا اداریہ ''خانقاہ ودرسگاہ میں برتری کی جنگ'' سے میں بہت متاثر ہوا۔ جس جرأت وبے باکی سے آپ نے تاج الشریعہ کے حاسدین کا محاسبہ کیا وہ آپ کا ہی حصہ ہے۔ ہند کے مشہور ومعروف خطیب غازی ملت مولانا غلام رسول بلیاوی صاحب کا انٹرویو بڑا ہی دلچسپ ہے، انٹرویو کا کالم اسی طرح جاری رکھیں ایک گزارش ہے کہ حضرت شیخ الاسلام علامہ سید مدنی میاں و حضور امین ملت کے انٹرویو بھی لینے کی کوشش کریں۔

موجودہ وقت میں جماعت میں جو افتراق وانتشار برپا ہے، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے بنام سنیت نت نئے فتنے جنم لئے رہے ہیں کوئی مسلک اعلیحضرت کی مخالفت کر رہا ہے کوئی بریلی شریف کی مرکزیت پر حملہ کر رہا ہے، اکابرین بالخصوص حضرت تاج الشریعہ کی شان میں گستاخیاں کرنا کچھ فتنہ پرور لوگوں کا محبوب مشغلہ بن چکا ہے، صلح کلیت کی وبا تیزی سے پھیلتی جارہی ہے ایسے نازک دور میں نوجوان نسل کی رہنمائی کے لئے، مسلک کے تحفظ وفتنوں کی سرکوبی کے لئے دوماہی مجلہ الرضا انٹرنیشنل نے صحافت کے میدان میں قدم رکھا اور بہت کم وقت میں عوام وخواص میں زبردست مقبولیت حاصل کر لی بلاشبہ دوماہی مجلہ الرضا صرف ایک رسالہ نہیں بلکہ ایک تحریک ہے، اس تحریک سے خانقاہ ودرس گاہ کو جوڑنے کی سخت ضرورت ہے۔

* * *

تربیت انسانی کے قرآنی مراحل

پروفیسر محمد راشد مجددی ☆ Ph.d Scholar U.O.L

انسان دنیا کی چندروزہ زندگی صرف گزارنے نہیں بلکہ خوش اسلوبی سے گزارنے کے لیے وارد ہوا ہے لیکن پیدائشی طور پر ہر انسان کی تربیت نہیں ہوتی ہر ماحول اپنے زندہ اپنے رہنے والوں کی تربیت، عادات واطوار کا ضامن ہوتا ہے۔ اسلام نے اسی لئے اپنے ماننے والوں کو ربنا اتنا فی الدنیا حسنةً کے لفظ سکھائے ہیں کہ اے اللہ ہمیں دنیا میں خوبصورت زندگی اور اس کے اچھے لوازمات عطا فرما زیر نظر مضمون اسی مفہوم سے تعلق رکھتا ہے و باللہ التوفیق انسانی عمارت بچپن سے تعمیر ہونا شروع ہوتی ہے اور بچپن کی اس تعمیر کو قرآن ''تربیت'' رب ارحمهما كما ربيانى صغيرا کا نام دیتا ہی تربیت ہی سے شخصیت کی تعمیر ہوتی ہے۔

تربیت کا معنی ومفہوم:

''رب ب'' سے اس کا معنی بڑھوتری، نشو ونما کے ہیں مفہومی اعتبار سے ہے جیسا کہ قرآن میں آیا ہے۔ فاذا انزلنا عليها الماء اهتزت وربت (الحج :۵) کہ ہم نے زمین کی نشو ونما کی (مختار الصحاح مادہ ربا-يربوا-ربا) کسی کو درجہ کمال تک پہنچانا بھی اسی معنی میں آتا ہے التربیۃ هو انشاء الشئی حالا فحالا الی حد التمام کسی شے کی درجہ بدرجہ اس انداز میں تربیت کرنا کہ وہ حد کمال تک پہنچ جائے تربیت کہلاتی ہے۔ (المفردات: صفحہ 182، راغب اصفہانی)

چونکہ اللہ کی ذات کی ساری کائنات کی مصالح متکفل ہے اس لئے حقیقی طور پر ''رب'' کا لفظ اللہ کی ذات کے سوا کسی کیلئے نہیں بولا جاسکتا تاہم جب اس میں اضافت پائی جائے گی تو اللہ کے علاوہ پر بھی بولا جاسکتا ہے جیسے رب الدار، رب الفرس (ایضاً: صفحہ ۱۸۶)

ایسی صورت میں اچھا انتظام وانصرام کر کے درجہ کمال تک پہنچانے کو ''رب'' کے معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔

ابوالعینین اور تربیت:

چونکہ انسان جسم وروح کا مرکب ہے اور قرآن صرف جسمانی نہیں بلکہ روحانی اصلاح وتربیت کا بھی علم بردار ہے بلکہ جذبات واحساسات کی بنا پر جس طرح قرآن نے راہنمائی کی دنیا میں کہیں ایسی راہنمائی نہیں ملتی۔ قرآن سے استفادہ کرتے ہوئے علمانے اس کی مختلف جہتیں بیان کی ہیں مثلاً ابوالعینین ڈاکٹر علی خلیل تربیت کی مندرجہ ذیل اقسام بیان کرتے ہیں۔

۱... التربية الجسمية
۲... التربية الروحية ۳... التربية العقلية
۴... التربية الوجدانية
۵... التربية الخلقية
۶... التربية الاجتماعية

(فلسفہ تربیۃ الاسلامیۃ فی القرآن، صفحہ ۱۰۰، دار الفکر العربی ۱۹۸۰)

عبداللہ ناصح العلوان نے تربیت کی مزید اقسام بیان کیں ہیں:

۱... ایمانی تربیت
۲... اخلاقی تربیت
۳... جسمانی تربیت
۴... عقلی تربیت
۵... نفسیاتی تربیت
۶... معاشرتی تربیت
۷... جنسی تربیت

(التربیۃ الاسلامیۃ ومدرسۃ حسن البنا، ص ۳۸، حلب شام)

تربیت کی تفصیلی اقسام

بد قسمتی سے آج ہماری تربیت اور شخصیت کی تعمیر سیٹلائٹ چینلز کر رہے ہیں۔ جس میں مسلمانوں کو دہشت گرد دکھایا جاتا ہے اور یوں پر امن اسلامی جہاد کو بھی دہشت گردی کے زمرے میں رکھا جا رہا ہے۔

بچپن سے بچوں کو ٹانگیں اور بازو ننگے رکھنے والا ریڈی میڈ لباس پہنایا جاتا ہے جب بچہ اس کا عادی ہو جاتا ہے تب قریب بلوغت ہم چاہتے ہیں کہ یہ اسلامی سانچے میں ڈھل جائیں جو کہ عادت نہیں ہوتی تعلیمی اداروں میں مخلوط ماحول، جو لڑکے لڑکیوں کے میل ملاقات کے مراکز زیادہ تعلیم کم اس پر مستزاد یہ کہ والدین کو علم ہوتا ہے کہ مخلوط ماحول ہے، اپنے شعبے میں بیٹھ کر دوسرے پر ظلم کرنے والا دوسرے کے اپنے کئے ہوئے ظلم کو تو دیکھتا ہے اپنا احتساب نہیں کرتا یوں ایک کو دوسرے کی نظر میں ذلیل کرنا، فرقوں کو باہم تعصب بندی، قرآن کو صرف ثواب کی کتاب سمجھنا مسلمان کو دقیانوس اور غیر مسلم کو روشن خیال روشن دماغ ثابت کیا جا رہا ہے۔ ہمارا میڈیا خامیوں کی کوریج تو کرتا ہے خوبیوں کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ نتیجہ مسلمان مسلمان کا خون کر رہا ہے، مسلم ملک مسلم ملک کو تباہ کر رہا ہے مسلمانوں کی توجہ جب تک اپنی اور اپنی آنے والی نسلوں کی تربیت پر مرکوز نہیں ہوگی عظمت رفتہ اور ترقی ہمارے قریب نہیں آئے گی،

تربیت نبوی کا منہج:

قرآن کے ساتھ ساتھ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی امت کی بہترین راہنمائی کی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اولاد کی تربیت پر خصوصی توجہ فرمائی ہے اور امت کو بھی تلقین فرمائی کہ

★ **یاایھاالناس علموا اولادکم واھالیکم القرآن**

(ابن ابی شیبہ: رقم الحدیث: ۳۰۰۵۹ جلد ۶ صفحہ ۱۳۱)

یعنی اے لوگو اپنی اولاد اور گھر والوں کو قرآن کی تعلیم دیا کرو

★ ... **علموا اولادکم الصلاۃ** اپنی اولاد کو نماز کی تعلیم دو

★ ... **علموا اولادکم السباحۃ** اپنی اولاد کو تیراکی سکھاؤ

★ ... **علموا اولادکم الرمی والمشی بین الغرضین** اپنی اولاد کو تیر اندازی اور مقررہ مقامات پر دوڑ کے مقابلے کی تیاری کروایا کرو۔

(البدر المنیر جلد ۹ صفحہ ۴۳۹ ابن الملقن شافعی)

★ ... **علموا اولادکم الرمایہ والسباحۃ ورکوب الخیل** اپنی اولاد کو تیر اندازی، تیراکی اور گھڑ سواری سکھاؤ

(اثر عمر بن خطاب فی المعرفۃ لابی نعیم جلد ۱ صفحہ ۴۴۰)

★ ... **حق الوالد علی الوالدان یعلمہ الکتابۃ**

(بیہقی فی شعب الایمان جلد ۶ صفحہ ۴۰۱)

باپ کا اولاد پر حق ہے کہ اسے لکھنا پڑھنا سکھائے۔

تربیت کی اقسام:

بنیادی طور پر جسم ـ روح اور ذہن کی تربیت ہوتی ہے تاہم آسانی کے لیے درج ذیل اقسام بیان کرتے ہیں۔

1...... جسمانی تربیت
2...... فکری تربیت
3...... ایمانی تربیت
4...... اخلاقی تربیت
5...... جنسی تربیت
6...... نفسیاتی تربیت
7...... علمی تربیت
8...... معاشرتی تربیت
9...... روحانی تربیت
10...... عقلی تربیت

جسمانی تربیت:

والدین کی طرف سے پہلا حق اولاد کے جسم کی سلامتی اور نگہداشت ہے اسی لئے ارشاد باری تعالیٰ ہے "اپنی اولاد کو تنگدستی کے ڈر سے قتل مت کرو" (الانعام ۱۵۱-) اسی طرح اولاد کو بھی ذہن نشین کروانا چاہئے کے یہ جسم ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت ہے، ہم خود کشی نہیں کر سکتے ہم اپنے جسم کو نقصان نہیں پہنچا سکتے عموماً بلوغت کے قریب والے بچے جسم پر بازو پر کسی چاہنے والے کا نام لکھتے لکھاتے ہیں یا اپنا ہی نام لکھوالیا جاتا ہے یہ سب منع ہیں آج یورپ میں جسم پر ٹیٹو بنوانے کا رواج ہے اسلام اس سے قطعاً منع

کرتا ہے۔ عسکری تربیت/ جسم کو سڈول اور چاک و چوبند بنانے والے کھیل/ جمناسٹک/ کراٹے/ جوڈو/ تیر اندازی/ تیراکی/ گھڑسواری یہ سب جسمانی تربیت والے کام ہیں۔ عید کے روز مسجد نبوی میں حبشیوں کا نیزہ بازی کی پریکٹس کرنا عسکری کے ساتھ ساتھ جسمانی تربیت کی طرف بھی نشاندہی کرتا ہے۔

فکری تربیت

کسی بھی چیز کے بارے میں بار بار دل میں خیال دھرانے کو فکر کہا جاتا ہے جبکہ امام راغب اصفہانی کے نزدیک فکر ایک ایسی قوت ہے جو علم سے معلوم کی طرف لے جاتی ہے اور یہ صرف انسان کے لیے ہے حیوان کے لیے نہیں۔

تفکروا فی الاء اللہ ولا تتفکروا فی اللہ

(طبرانی کبیر، رقم: 6319)

اللہ کی ذات میں غور و فکر مت کرو بلکہ اللہ کی قدرتوں اور نشانیوں میں غور کرو

اللہ کی ذات معلوم اور ذہن میں متشکل ہونے وراء ہے جیسا کہ امام راغب اصفہانی نے مفرادات میں بھی بیان کہا ہے (مفردات القرآن صفحہ 384) اللہ تعالیٰ دعوت فکر دیتے ہیں اونٹ کی پیدائش میں، آسمان کی بلندی میں، پہاڑ کی تنصیب میں، زمین کے مسطح ہونے میں، سورہ طارق، عبس، حم السجدہ، الزمر، روم، الفرقان، الانعام، البقرہ مطالعہ کے لائق ہیں جس قوم کی فکر کو جمود لگ جاتا ہے وہ تنزل کا شکار ہو جاتی ہے ہم اپنی اولاد کو فکر دیتے ہیں صرف پیسہ کیسے کمانا ہے؟ ہم اپنی اولاد کو مظاہر فطرت جو کہ ساری کی ساری سائنس ہے کی دعوت نہیں دیتے اگر کوئی بچہ سائنس کی تعلیم حاصل کر رہا ہو اسے قرآن اور اسلام اور علما سے دور رہنے کی ترغیب دیتے ہیں ان سے سمجھنے کی تعلیم نہیں دیتے ایسے مستند علماء جو قرآن کی آسان فہم تشریحات کرنے والے ہوں عقلی معاملات سے راہنمائی کرنے والے ہوں فقط لکیر کے فقیر نہ ہوں ان کے پاس اولاد کو خود لیکر حاضر ہونا چاہیے۔ یہی "ختم اللہ علی قلوبھم وعلی سمعھم وعلی ابصارھم غشاوۃ "دلوں پر کانوں پر آنکھوں پر پردہ فکری جمود ہی ہوتا ہے۔ صرف بنیادی عقائد توحید، ختم نبوت جنت، دوزخ روح ایسے معاملات سے صرف نظر کرو۔ بقیہ تمام معاملات میں غور و فکر کیا کرو۔ افسوس ہم غور و فکر کرتے صرف اس بات میں کہ کیسے کسی کی ٹانگ کھینچی جائے، کیسے کسی کو ذلیل کیا جائے۔

ایمانی تربیت

اولاد کو بتاؤ ایمان کیا ہے؟ روزمرہ کے کون کون سے معاملات ہیں جن سے ایمان کمزور ہوتا ہے؟ اور کون سے معاملات ہیں جن سے ایمان کی تجدید ہوتی ہے فرمایا گیا

جددوا ایمانکم اپنا ایمان تازہ کرتے رہا کرو
صحابہ نے عرض کیے کیف نجدد ایماننا فرمایا

اکثروا من قول لا الٰہ الا اللہ فرمایا اپنا ورد بنالو لا الٰہ الا اللہ کو کلمہ طیبہ پڑھا کرو (مستدرک للحاکم، رقم: 3185، جلد 5، صفحہ 364)

قرآن تو ایمان والوں کو بھی ایمان کی دعوت دیتا ہے

یا ایھا الذین امنوا امنوا باللہ ورسولہ (النسآ: 136)

امام حسن بصری کہتے ہیں اے ایمان والو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر، قرآن پر اور اپنے ایمان پر ثابت قدمی دکھاؤ

امام ضحاک کہتے ہیں: اے موسیٰ وتورات، عیسیٰ وانجیل پر ایمان لانے والو تم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی ایمان لاؤ

امام مجاہد کہتے ہیں: ظاہری ایمان لانے والو اپنے دل میں بھی ایمان لاؤ (**ملخصاً تفسیر طبری مذکورہ آیت**)

اولاد کو سمجھایا جائے زندگی کے کسی موڑ پر ایمان کی حفاظت میں سستی نہ ہونے پائے۔ کاروبار، تعلیم، ملازمت، مزدوری کسی بھی حیثیت سے توحید خدا اور سالت مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ثابت قدمی رکھنی ہے غیر مسلموں سے میل ملاپ خصوصاً جو غیر ممالک میں تعلیم اور روزگار کیلئے جاتے ہیں ان کے ایمان کو چیک کرتے رہیں کہیں دیار غیر میں کسی "زن" یا "زر" کی ہوس میں ایمان کمزور تو نہیں کر بیٹھا اور اسی کے ساتھ ساتھ اس کے دوستوں، ملنے جلنے والوں پر نگاہ رکھیں کہیں وہ دوست منافق فطرت، جھوٹ بولنے والے، دھوکے باز فریبی تو نہیں۔ ہم دوسروں کو کچھ نہیں کہہ سکتے لیکن اپنی اولاد کو تو سمجھا سکتے ہیں۔

بیعت عقبہ اولیٰ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو اس حکم کے ساتھ روانہ فرمایا تھا۔

وہاں لوگوں کو قرآن پڑھائیں اور اسلام کی تعلیم دیں ان میں دین کی بصیرت اور صحیح سمجھ پیدا کریں۔ (ملتقطاً سیرت ابن ہشام جلد 1 صفحہ 434)

اخلاقی تربیت:

جذبات وخواہشات اور اپنی عقل کو اخلاق کے دائرے میں لانا اور انفرادی مفاد کے بجائے اجتماعی مفادات کو مدنظر رکھ کر عمل کرنا قرانی تربیت کا ایک اہم عنصر ہے۔ قرآن کہتا ہے:

☆ اے ایمان والو کسی کا مذاق مت اڑاؤ ☆ کسی کا الٹا، غلط نام مت پکارو ☆ جاسوسی مت کرو ☆ حسد مت کرو ☆ غیبت مت کرو ☆ وعدوں کی حفاظت کی پاسداری کرو ☆ زنا مت کرو ☆ والدین کو ترجیح دو

(النور۔ الحجرات۔ المومنون)

انفرادی تفریح کی خاطر کسی کو مذاق کا نشانہ مت بناؤ کسی کو ذلیل کرنے کیلئے اس ٹوہ میں رہنا جاسوسی کرنا کروانا، فطرت کو رد کرتے ہوئے کسی دوسرے میں خوبی کو برداشت نہ کرنا خود محنت نہ کرنا اور دوسرے میں کیڑے، عیب وحسد کا معاملہ کرنا، "فضائل اخلاق" اور "رذائل اخلاق" اپنی اولاد کو بالترتیب سمجھانا کہ "غیبت" کس کو کہتے ہیں (صرف غیبت بُری چیز ہے نہ کرو) نہیں بلکہ کب ہوتی کیسے کی جاتی ہے کیوں ہوجاتی ہے ذاتی مزے کے لئے معاشرے میں زنا کی بداخلاقی کو رواج دینا۔ تانکا جھانکی، بدمعاشی، جگا پن یہ سارے انفرادی مزے اور فائدے لیکن اجتماعی نقصان والے معاملے ہیں۔

جنسی تربیت:

اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں شہوت رکھی ہے امیر ہو یا غریب گورا ہو یا کالا ایک مخصوص عمر کے بعد بلوغت اور جسمانی خدوخال کے ساتھ ساتھ ذہنی تخیلات میں تبدیلیاں لازم وملزم ہیں۔ افزائش نسل انسانی فطرت ہے اس سے صرف نظر کر کے فقط مزے کے لئے غیر فطری طریقے اپنانا (زنا) اور اولاد کو تربیت دنیا والدہ کا بیٹی اور والد کا بیٹے کو آگاہ کرنا اسلامی طریقہ ہے افسوس آج ہم اس سے کوتاہی برت رہے ہیں۔ بعض اسلامی گھرانے اسی شش وپنج میں مبتلا رہتے ہیں کہ بچوں کو جنسی تعلیم دینی بھی چاہئے یا نہیں دوسری طرف پرنٹ میڈیا اور الیکٹرونک میڈیا ہمارے بچوں کو لبرل اور بے حیائی کے تمام ترہتھ کنڈے اور کورس کروا رہا ہے۔

☆ اگر ہم نے بچوں کی بلوغت کے فوراً بعد شادی کو رواج نہ دیا
☆ اگر ہم نے دوسری، تیسری اور چوتھی شادی کو لعنت سمجھنے کے کفر سے توبہ نہ کی
☆ اگر ہم نے مطلقہ خواتین اور بیواؤں کی فوری اور آسان شادیوں کا بندوبست نہ کیا
☆ اگر ہم نے نکاح کو کاروبار کے بجائے فرض کا درجہ نہ دیا
☆ اگر ہم نے نکاح کو اتنا آسان نہ کیا جتنا بازار میں جا کر نیا سوٹ خرید لینا ہے
☆ اگر ہم نے زنا کی طرف جانے والے راستوں کا سدباب نہ کیا
☆ اگر ہم نے زنا کو مشکل اور شادی کو آسان نہ بنایا
☆ تو زنا اور ریپ کے مجرم کھلواڑ کرتے اور دندناتے رہیں گے
☆ دوسری شادی کی سنت پوری کرنے والے (بغیر حکومت سے اجازت لئے) جیل کی سلاخوں کے پیچھے ہونگے

تو یاد رکھیں!

☆ گھروں میں بیٹیوں کے رشتوں کے بجائے دوستی کے پیغامات آیا کریں گے
☆ بیٹیاں پھولوں سے سجی حجلہ عروسی والی گاڑی کے بجائے تاریک شیشوں والی گاڑی میں جایا کریں گی
☆ بیٹے شادیوں کے بجائے افیئرز کیا کریں گے
☆ بیویوں کے بجائے گرل فرینڈ رکھا کریں گے
☆ شوہر گھر میں بیوی کی محبت کا دم بھرنے کے بجائے دفتروں میں معاشقے کیا کریں گے
☆ نومولود بچے ہسپتالوں کے بجائے کسی کوڑے کرکٹ کے ڈھیر پر رات کی ہوسناکی کی داستان بیان کر رہے ہوں گے
☆ اسلامی تہواروں پر اہل خانہ کے ساتھ خوشگوار ماحول کے بجائے نیو ایئر نائٹ، ویلنٹائن ڈے، کڑوا چوت اور چاند رات جیسے تہوار ہوس کی علامات بنے رہیں گے
☆ اگر ہم نے قرآنی تربیت کو نہ اپنایا تو یہ آگ ہر شریف گھرانے کو بھی اپنی لپیٹ میں لے گی

چند گذارشات

1: بچوں کو وقت دیں وہ عمر کے جس حصے میں بھی ہوں انھیں تنہا مت رہنے دیں۔ آج کل بچوں کو الگ کمرہ، کمپیوٹر اور موبائل جیسی سہولیات دے کر ہم سمجھتے ہیں ہمارا فرض پورا ہوا۔ انھیں کمرہ لاک مت کرنے دیں اچانک کمرے میں جا کر چیک کریں ان کے آنے جانے والے دوستوں سہیلیوں کو نظر انداز مت کریں۔

2: بچہ اگر علیحدہ رہنے پر مصر ہو تو سختی مت کریں لیکن اچانک جا کر چیک ضرور کریں۔

3: بچوں کو فارغ مت رہنے دیں فارغ ذہن شیطان کی آماجگاہ ہوتی ہے۔ ذہن ابتداء میں سلیٹ کی طرح صاف ہوتا بچپن سے ہی اچھی یادیں۔ اچھے واقعات صحت مند مشاغل کو ذہن کی سلیٹ پر نقش کریں صرف کتابیں نہیں بلکہ مثبت تاریخ، اسلامی تاریخ واقعات انبیاء، سائنس کی ایجادات، حیران کن واقعات والدین خود سنسر کر کے، خود پڑھ کر اولاد کو وہی پڑھنے کے لئے دیں۔

4: وڈیو گیمز بچوں میں تشدد اور بالجبر بات منوانے، ٹی وی ڈرامے احساس کمتری و احساس برتری اور سفلی خیالات کو پروان چڑھانے غیر محرموں سے میل ملاقات کے طور طریقے اپنے آپ ہیرو اور ہیرون کی جگہ رکھ انھیں جیسے اطوار اپنانے کی طرف مائل کرتے ہیں۔ ان سے حتی الامکان بچیں۔

5: ایسا کھیل/ ورزش/ گھریلو کام جس سے بچے کے اندر تھکن پیدا ہو اور وہ لیٹتے ہی سو جائے۔ سونے کے علاوہ کسی رنگی مصروفیت میں مشغول رہنا پسند کرے اس بات کا خیال رکھیں۔ والدین بننا فل ٹائم جاب ہے اس لئے کسی بھی لمحہ کی کوتاہی اندھیری کھائیوں میں گرا سکتی ہے۔

7: بچے کو جیب خرچ دے کر نگاہ رکھیں مثبت خرچ کرتا ہے یا منفی سرگرمیوں میں ملوث ہے اخراجات دیئے گئے پیسوں کے مطابق ہی ہیں خصوصاً بچیوں کے پاس نت نئی جیولری/ میک اپ/ موبائل وغیرہ کہاں سے آرہے ہیں۔ اس کا خیال رکھیں۔

8: رات کو وقت پر سونے کا تمام اہل خانہ کو پابند کریں تا کہ صبح فجر کی نماز بروقت ادا ہو سکے۔ بچوں کو خالی نماز کی تاکید مت کریں ان کے سامنے وضو کریں ان کے سامنے مصلیٰ بچھائیں ان کو پاس بٹھا کر اپنا قرآن سنائیں اور ان کا قرآن سنیں یہ کہہ کر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری ایام تک صحابہ اور جبریل کو قرآن سناتے اور سنتے رہے ہیں۔

9: بچیوں کو سیدھا اور بچوں کو الٹا لیٹنے سے منع کریں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں اس بات کی سختی فرمایا کرتے تھے۔

10: بلوغت کے قریب اور بعد میں بچے ضرورت سے زیادہ واش روم میں وقت لگائیں تو کھٹک جائیں اور بلوغت کے معاملات پر آگاہی دیں بچی کو والدہ/ خواتین بچے کو والد/ مرد حضرات سمجھائیں۔

11: بچپن سے اعضائے مخصوصہ سے چھیڑ چھاڑ سے منع کریں قریب بلوغت خاص طور پر سمجھائیں کہ سینہ پیشاب اور پاخانہ کی جگہ خطرناک ہیں طہارت کے علاوہ نہ تو خود ہاتھ لگائیں نہ ہی کسی غیر کو لگانے دیں اگر کوئی دوست/ سہیلی مذاق میں بھی ایسا کرے تو سختی سے باز کرے۔

12: بچے کو اجنبی سے گھلنے ملنے مت دیں خصوصاً جب وہ کسی رشتہ دار/ محلہ دار/ نو وارد میں اچانک دلچسپی کا مظاہرہ کرے یا بد کنے لگے۔

13: بچے فطرتاً اپنی کچھ چیزیں چھپا کر علیحدہ علیحدہ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں بچی کی اشیا والدہ اور بچے کی اشیا والدہ گاہے بگاہے چیک کرے موبائل کا دور ہے موبائل میموری چیک کرے۔ شک پڑنے پر اگر بچہ ہر قسم کی تسلی دکھائے تو موبائل کوری سیٹ کر دیں۔ ہر قسم کا زہریلا مواد خود بخود ڈیلیٹ ہو جائے گا۔

14: بچے کے دوستوں اور سہیلیوں میں اگر عمر سے کم اور زیادہ والے احباب شامل ہوں تو یہ مناسب نہیں ہے۔

15: اگر بچوں میں کوئی نامناسب بات یا اخلاق باختہ بات پتہ چلے تو انتہائی مہذبانہ انداز اپنائیں۔ گھریلو ماحول میں بڑے افراد باہمی معاملات میں نپے تلے الفاظ اپنائیں تا کہ بچے میں بے باکی نہ پیدا ہو۔

16: 10 سال کے بعد بچوں اور بچیوں کو سورہ یوسف اور سورہ نور کی تفسیر بالترتیب اپنے لفظوں میں سمجھائیں کہ کا

ئنات میں سے خوبصورت نوجوان کیسے اللہ کا خوف دل میں رکھ کر شہوانی معاملات سے بچتا ہے۔ اور ہم کیسے بچ سکتے ہیں۔

17: کوشش کریں بچے کی منگنی جلد ہو جائے بلکہ نکاح جلد ہو جائے رخصتی بعد میں جب کبھی مناسب سمجھیں تب کردی جائے اہل عرب کا یہی طریقہ کار تھا اس سے بچہ اور بچی کسی دوسرے خیالی پلاؤ کے بجائے اپنے جیون ساتھی کا ہی تصور جمائے رکھتا ہے۔

نفسیاتی تربیت:

قرآن جہاں دیگر تربیت کے مراتب بیان کرتا ہے وہیں نفسیاتی تربیت کے بارے بھی رہنمائی فراہم کرتا ہے کوئی بھی فرد تین نفسیاتی حالتوں سے خالی نہیں ہوتا۔

ا: نفس مطمئنہ
۲: نفس لوامہ
۳: نفس امارہ

اپنی اولاد کے نفسیاتی پہلو کو نظر انداز مت کریں بچے کی فطرت کے خلاف جب کبھی کوئی معاملہ ہوگا وہ ضد یا غصہ میں آئے گا کہ یہ فطرت ہے لیکن اس کے بعد والا معاملہ سمجھنے اور سلجھانے سے تعلق رکھتا ہے۔

اگر بچہ جلد حالات کی نزاکت سمجھ جائے ، اچھے بُرے اپنے بیگانے، بے جا ضد کو چھوڑ دے اور نارمل رہے تو مبارک باد ہے۔

لیکن کبھی بچہ نارمل نظر آئے ہوئے اکھڑے مزاج میں رہتا ہے تو اس کا مطلب ہے بچے کے ذہن میں ابھی تک کوئی بات اٹکی ہوئی ہے گھر کا کوئی فرد جو بچے کے قریب ہو اس کے ذریعے حقائق بچے کے ذہن نشین کروائیں تا کہ بچہ کے ذہن میں بغاوت نہ پیدا ہونے پائے۔

والدین بچپن میں بچے کی ہر جائز ناجائز خواہش پوری کرتے ہیں یہ غلط ہے اس سے نفس امارہ کو شہہ ملتی ہے ایسے ہی جب بچے بڑے ہوتے ہیں تو طاقت/ دولت کے بل پر ہر جائز و ناجائز کام کرنا اپنی عزت و فخر اور اپنا حق سمجھتے ہیں ایک وقت ایسا آتا ہے بچہ والدین کے ہاتھوں سے نکل معاشرے کیلئے ناسور بن جاتا ہے۔

علمی تربیت:

علم کا تعلق صرف سکول کالج یونیورسٹی سے نہیں ہے بلکہ قرآن فہمی سے حاصل ہونے والا شعور ان سے بالاتر ہے تاہم کھلونوں کی عمر سے ہی اسے تعلیمی کھلونوں کی طرف مائل رکھنا چاہیے انسان کی ابتدا علم سے ہوتی ہے اور انتہا کامل مشاہدہ و مکاشفہ پر ہوتی ہے۔

غزاوات و سرایا کے مقاصد بھی علمی معاملات پر منتج ہوتے کہ غزوات میں صحابہ کو جنگی معاملات سکھانے اور سرایا میں اندرونی معاملات سکھانے کا فائدہ مقصود تھا۔ بچپن سے ہی تعلیم و تعلم سے آگاہی دینا اسلام کا طریقہ کار رہا ہے اسی لئے محدثین نے باقائدہ اس پر باب باندھے ہوئے ہیں

★ باب السلام علی الصبیان فی الادب المفرد
(بچوں کو سلام کرنے کے بارے میں)

☆ مقام الصبیان من الصف فی سنن ابی دائود
(نماز کی صف میں بچوں کا مقام)

★ باب ما علی الا بآء و الامہات من تعلیم الصبیان امر الطھارہ و الصلاۃ فی سنن بیہقی الکبری
بچوں کو طہارت اور نماز کی تعلیم کے بارے میں والدین کی ذمہ داری

☆ باب خروج الصبیان الی العید فی سنن بیہقی الکبری
بچوں کا نماز عید کے لیے نکلنے کے بارے میں

☆ باب امر الصبیان بالصلاۃ و ضربھم علی ترکھا قبل البلوغ فی الصحیح ابن خزیمہ
بلوغت سے پہلے بچوں کو نماز کا حکم دینا اور ترک کرنے پر سزا دینا

اصحاب صفہ کی تعداد 400 تک چلی جاتی تھی جن میں بچے بھی شامل ہوتے تھے پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام کی علمی برتری، قرآن کی پہلی وحی، علم کے بارے اسلام کی تربیت علمی تربیت کی اہم مثالیں ہیں۔

معاشرتی تربیت:

انسان تنہا زندگی گزارنے والی مخلوق نہیں ہے اگر ایسا ہوتا تو حضرت آدم جنت سے کبھی زمین پر نہ آتے۔ اسلام فرد واحد اور عائلی معاملات کے ساتھ ساتھ معاشرتی قوانین بھی فراہم کرتا ہے

اسلام نے فقط مومن کی نہیں بلکہ انسانیت کی بھی بھلائی پر ابھارا ہے قرآن نے قریباً 21 مقامات پر عام لوگوں کو مخاطب کر کے اجتماعی بات کرنے اور سمجھانے کی کوشش کی ہے

☆ اے لوگوں تمہارے پاس رب کی طرف سے نصیحت اور سینوں کی شفا آ گئی ہے (یونس: 57)

☆ اے لوگوں اپنے رب سے ڈرو بے شک زلزلہ کی گھڑی بہت ہیبت ناک ہے (الحج: 1)

☆ اے لوگوں اگر تمھیں مبعوث کئے جانے میں شک ہے تو بے شک ہم نے تمھیں مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ پھر علقہ پھر مضغہ .... بچپن جوانی تمام عمر کے مدارج بیان کیے (ملتقطاً ایضاً: 5)

☆ اے لوگوں اللہ کی نعمت کو یاد کرو (فاطر: 03)

☆ اے لوگوں اللہ کا وعدہ حق ہے دنیادی زندگی کے دھوکے میں نہ رہنا (فاطر: 05)

☆ **الخلق عیال اللہ** مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اور اللہ اس سے زیادہ محبت کرتا ہے جو اس کی عیال کیلئے زیادہ نفع بخش ہو (مسند ابویعلی: رقم 3315)

معاشرہ والدین، رشتہ دار، اساتذہ وطلبا، حکمران ورعایا، ہمسایہ، دیہات، شہر، کاروبار، بازار، مسجدان اشیاء کا مرکب ہوتا ہے اور یہ فرد واحد نہیں بلکہ اجتماعی طور پر زندگی گذارنے والا پہلو ہے اسی لئے قرآن حقوق العباد پر مکمل راہنمائی فراہم کرتا ہے۔

روحانی تربیت

گذشتہ ادوار کے برعکس آج کا انسان جسمانی طور پر زیادہ علاج معالجہ کی سہولیات رکھتا ہے لیکن آج کے دور میں روحانی علاج معالجہ کا فقدان ہے۔ بلکہ اکثر لوگ تو اسے مانتے ہی نہیں، اسلام نہ صرف اس کی نشاندہی کرتا ہے بلکہ حل بھی تجویز کرتا ہے۔

والکاظمین الغیظ غصہ دبانے والے اب غصہ نظر نہیں آتا ہے لیکن یہ نہ صرف روح بلکہ جسم پر بھی اثرات رکھتا ہے غصہ والا فرد اکثر ہائی بلڈ پریشر کا مریض رہتا ہے۔ جسم لال بھبھوکا ہو جاتا ہے اور روحانی طور پر تنزلی کا شکار ہوتا ہے۔

صوفیا اور روحانی تربیت

الشیخ احمد کبیر الرفاعی کے نزدیک سالک کے نفس کو تہذیب یافتہ کرنا ہے اور اس کو لالچ سے زہد، کنجوسی سے سخاوت، اعتراض سے تسلیم کرنا، تدبیر سے تفویض جہالت سے معرفت، کام چوری سے محنت وعبادت، تکبر سے تواضع، بے وقوفی سے عقلمندی، دشمنی سے صلح، لوگوں کے ضرر سے نفع اور غفلت سے خوف کی طرف منتقل ہونا روحانی تربیت ہوتی ہے۔

(موسوعۃ الکسنزان: جلد ۸، صفحہ ۲۸۸)

شیخ عبدالقادر اربلی کہتے ہیں روحانی تربیت اسی صورت میں مکمل ہوسکتی ہے جب سالک اور مربی کے درمیان تین چیزوں کی مناسبت ہو جائے۔

☆ شیخ کی کامل اتباع قدم بر قدم
☆ شیخ کی کامل اتباع زبان در زبان
☆ شیخ کی کامل اتباع قلب بر قلب (ایضاً)

آسان لفظوں میں روحانی تربیت شیخ کامل سے اللہ کی ذات کو ہمہ وقت موجود ومحسوس کرنے کی تربیت حاصل کرنا ہے۔

فان لم تکن تراہ فانہ یراک (صحیح بخاری: حدیث جبریل رقم: ۵۰)

عقلی تربیت

انسان ایک مخلوق ہے جو اپنے شعور ووجدان سے کام لے تو مسجود ملائک ٹھہرتا ہے ورنہ جانوروں سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔ **اولئک کالانعام بل ھم اضل** (الاعراف ۱۷۹) ایت میں اللہ تعالیٰ اسی طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ سوجھ بوجھ سے عاری دل، آنکھوں کے باوجود بے بصر نظر، کانوں کے باوصف سماعت حق سے محرومی یہ لوگ تو جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو سرتاپا مختلف اعضاء دیئے ان سے کام لینے کیلئے محض جانوروں کی طرح کھانا، پینا، سونا، شہوت پوری کرنا بالآخر مرجانا یہ بے عقلوں والی زندگی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی اور آنے والی نسلوں کی تربیت کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین

* * *

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کا مایہ ناز رسالہ

ھادی الاضحیہ کا تجزیاتی مطالعہ

مولانا غلام سرور قادری: القلم فاؤنڈیشن سلطان گنج پٹنہ ٦

سیدنا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا ہر رسالہ دلائل و براہین سے بھرپور، تحقیقات وتدقیقات سے مملو اور معلومات کا خزانہ ہے۔ ان کے فتاویٰ، دلائل و براہین سے ایسا مرصع ہیں کہ ان کی نظیر کہیں نہیں ملتی۔ بڑے بڑے محققین علماء نے بھی جس مسئلہ میں توقف سے کام لیتے، اعلیٰ حضرت اس مسئلہ کو بیک جنبش قلم حل فرما دیتے تھے۔ اس کی نظیر ان کے تمام رسائل میں دیکھی جاسکتی ہے اس کا ایک نمونہ زیر تجزیہ رسالہ "ھادی الاضحیہ بالشاۃ الھندیۃ" بھی ہے۔ آپ کی تحقیقات وتدقیقات اور تبحر علمی کے قائل تو آپ کے مخالفین بھی ہیں اور ایک نہیں انیک ہیں۔ جس کے نقل کی یہاں گنجائش نہیں۔

امام احمد رضا کا یہ رسالہ عربی میں ہے (اردو میں اس کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے) جو جلد ہشتم کے صفحہ ۳۹۸ سے ۴۳۸ تک ہے، ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ یہ رسالہ ایک فتویٰ کے تنقیدی جائزہ پر مشتمل ہے۔ سائل مولانا احمد حسن صاحب کانپوری قدس سرہٗ نے امام احمد رضا قدس سرہٗ کی بارگاہ میں ایک استفتاء بھیجا، جس میں مولانا نظام الدین صاحب مدرس مدرسہ اسلامیہ احمد پور شرقیہ کا ایک فتویٰ شامل تھا۔ انہوں نے اپنے فتویٰ میں لکھا تھا کہ بھیڑ قربانی کے جانور سے خارج ہے۔ لہذا اس کی قربانی جائز نہیں۔ اس جواب کو علماء کے علاوہ عوام نے بھی قبول نہیں کیا۔ اس لئے کہ یہ قدیم معمول کے خلاف تھا۔ عدم تسلی اور قدیم معمول کے خلاف ہونے کی وجہ سے مولانا احمد حسن صاحب مدرس اعلیٰ مدرسہ فیض عام کانپور نے اپنا سوال اور مولانا نظام الدین کا جواب اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں ارسال فرمایا اور عرض کیا کہ بھیڑ کی قربانی کے تعلق سے تحریر کردہ جواب اگر درست نہ ہو تو وجہ غلط بتائیں اور صحیح ہو تو تائید مزید سے مزین فرمائیں۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے اس کے جواب میں ایک مکمل رسالہ ہی قلمبند فرما دیا اور یہ ثابت فرمایا کہ بھیڑ قربانی کے جانور میں داخل ہے۔ اور اس کی قربانی کے جواز میں کوئی شک نہیں، آپ نے اس رسالہ میں مفتی مذکور کے پیش کردہ دلائل کا مختلف نوعیتوں سے علمی محاسبہ کیا۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مولانا نظام الدین کے دلائل یہاں نقل کردیے جائیں تاکہ امام احمد رضا کی تحقیقات وتنقیدات کو سمجھنے میں آسانی ہو۔ مولانا نظام الدین نے لکھا تھا:

"قربانی کے جانورں کی ابتدائی تین قسمیں ہیں (۱) شاۃ یا غنم، یہ دونوں لفظ بطور ترادف قربانی کے جانور کی ایک ہی قسم کے لئے بولے جاتے ہیں۔ (۲) بقر، اسکی دو قسمیں ہیں، گائے اور بھینس۔ (۳) جمل، اس کی ایک ہی قسم ہے۔

شاۃ کی پھر دو قسمیں ہیں (۱) ضان، اور (۲) معز۔ بقر کی بھی دو قسمیں ہیں، بقر اور جاموس۔ اس طرح اصل اور ذیلی قسموں کو ملا کر کل پانچ قسمیں ہوئیں۔ (۱) جمل، اونٹ۔ (۲) بقر، گائے۔ (۳) جاموس، بھینس۔ (۴) ضان، دنبہ۔ (۵) معز، بکری۔ اور مذکر ومؤنث دونوں کو شامل کردیا جائے تو کل دس قسمیں ہوئیں۔

مولانا نظام الدین نے دلائل دیتے ہوئے لکھا تھا:

"(دلیل اول) ہندوستانی بھیڑ اگر اپنی شکل وصورت کے لحاظ سے قربانی کے جانوروں میں سے کسی میں شامل ہوسکتی ہے تو وہ ضان (دنبہ) ہے۔ لیکن ضان میں شامل اسلئے نہیں ہوسکتی ہے کہ ضان کی تعریف اَلْیَۃٌ (چکتی، یعنی دنبے کی چوڑی دُم) کی قید ہے۔ جو بھیڑ میں نہیں ہوتی اور اگر بھیڑ کو قربانی کے جانور میں شامل کرنا مقصود ہوتا تو الیۃ کی قید نہ لگاتے بلکہ ایسا لفظ استعمال کرتے جو بھیڑ اور دنبہ دونوں کو شامل ہو۔

(دلیل ثانی) از روئے شرع غنم یا شاۃ کی دو ہی قسم بتائی گئی ہیں۔ ضان، اور معز، اور اگر بھیڑ کو بھی قربانی کا جانور مان لیا جائے تو غنم کی

دوہی قسم نہیں بلکہ تین قسم ہوجائیں گی اور قربانی کے جانوروں کا مجموعہ پانچ کے بجائے چھ ہوجائے گا جو تصریحات علماء کے خلاف ہے۔

(ایک شبہ) شکل وصورت، رنگ وروپ، فوائد اور تاثیر میں ہزار اختلاف ہوتے ہوئے بھینس کو بقر میں شامل مانا تو صرف دُم کے اختلاف کی وجہ سے بھیڑ دنبہ میں کیوں شامل نہیں کی گئی۔

(جواب) بھینس قیمت اور گوشت میں گائے سے عمدہ ہے۔ اور بھیڑ دنبہ سے چکتی میں ناقص ہے۔ اسلئے یہ بات قرینۂ قیاس ہے کہ اکمل اور عمدہ کو کامل کے ساتھ شمار کیا جائے اور یہ بات غلط ہے کہ ناقص کو کامل کے ساتھ جوڑا جائے۔ اس لئے بھینس کو گائے میں شمار کیا اور بھیڑ کو دنبہ میں نہیں۔

(دوسرا شبہ) اہل لغت نے ’’ضان‘‘ کا ترجمہ فارسی کے لفظ میش سے کیا جو بھیڑ اور دنبہ دونوں کو عام ہے۔ پس اہل لغت کے اس محاورہ کے موافق اہل شرع کو بھی بھیڑ کو دنبہ میں شامل ماننا چاہیئے۔

(جواب) اہل لغت کی شرع کے موافق فارسی لفظ ’’میش‘‘ بھیڑ اور دنبہ دونوں کو عام نہیں۔ بلکہ ’’میش‘‘ صرف دنبہ کو کہتے ہیں۔ فارسی لفظ ’’گوسفند‘‘ بھی لفظ ’’میش‘‘ کی طرح لفظ ’’بُز‘‘ کا مقابل ہے۔ جیسا کہ عربی میں لفظ ’’معز‘‘ ’’ضان‘‘ کا مقابل ہے ’’قاموس وصراح‘‘ دونوں سے یہی ثابت ہے۔ البتہ بعض اہل لغت یہ کہتے ہیں کہ فارسی کا لفظ ’’گوسفند‘‘ لفظ ’’میش‘‘ کا ہم معنی نہیں۔ بلکہ میش وبز (دنبہ وبکری) دونوں کو عام ہے۔

اس عبارت سے صاف ظاہر ہوگیا کہ اہل عرب کے نزدیک جو جانور ضان کہلاتا ہے۔ اہل فارس اسی کو میش کہتے ہیں۔ (اور اہل اردو دنبہ کہتے ہیں) اور اہل عرب جس کو معز کہتے ہیں۔ اہل فارس اسی کو بُز (بکری) کہتے ہیں۔ نہ یہ کہ لفظ میش کے اطلاق میں بھیڑ داخل ہے۔

(ایک اور جواب) اور اگر بطور تنزل ہم یہ تسلیم بھی کریں کہ اہل لغت کے نزدیک میش کا اطلاق اُون والے پر ہوتا ہے تب بھی ہم یہ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں کہ اس سے ان کی مراد بھیڑ ہے۔ اس کے بیان کے لئے ہم کو تھوڑی تفصیل میں جانا ہوگا۔

کسی چیز کی تعریف اس کے مساوی لفظ سے بھی کی جاتی ہے۔ جیسے انسان کی تعریف لفظ ناطق سے کی جائے (کہ جن جن افراد پر انسان دلالت کرتا ہے ناطق بھی اس پر دلالت کرتا ہے) اور کبھی تعریف کے لئے معرَّف سے عام لفظ بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے السعدانة نبت (کہ سعدانہ ایک مخصوص گھاس کا نام ہے) جب کہ نبت ہر گھاس کو کہا جاتا ہے۔ اول الذکر تعریف کامل ہے اور ثانی ناقص۔ الغرض تعریف دونوں ہی ہے۔

اگر معرف کو بعض امور سے ممتاز کرنا ہے تو عام لفظ سے بھی تعریف جائز ہے۔ تو یہاں بھی ’’ضان‘‘ کا ترجمہ لفظ ’’میش‘‘ سے کردیا جس کا مفہوم اون والا۔ لیکن اس سے اہل لغت کی غرض ضان میں بھیڑ کو شامل کرنے کی نہیں تھی۔ بلکہ دنبہ کو گائے، بھینس، اور بکری سے ممتاز کرنا ہے کہ وہ اون والے جانور نہیں۔ اور دنبہ اون والا جانور ہے اور جب ضان کو بھیڑ سے ممتاز کرنا ہوا تو اس کی تعریف چکتی والے جانور سے‘‘

بھیڑ کو قربانی کے جانور نہیں ہونے کی مذکورہ دلیل کے علاوہ انہوں نے ’’جواب الجواب‘‘ کے نام سے اس کی ایک دلیل اور دیتے ہوئے لکھا:

(جواب الجواب) اگر ہماری بات کا یہ جواب دیا جائے کہ اہل لغت کے اطلاق کو یہاں تعریف مساوی سے پھیر کر تعریف عام قرار دینا ایک بے دلیل اور ادعائی بات ہے۔ اس لئے قابل تسلیم نہیں، ظاہر ہے کہ ان کا منشاء ضان کا ترجمہ میش کر کے یہی ظاہر کرنا ہے کہ وہی جانور ہے جس کے اون ہوتا ہے چکتی ہو یا نہ ہو۔ اس سے ان کو کوئی غرض نہیں تو لغتاً بھیڑ دنبہ میں شامل ہوئی۔

(جواب) چلئے اہل لغت کا مطلب وہی ہے جو آپ کہتے ہیں لیکن ہمارے لئے حجت اہل لغت کی بات نہیں ہے اہل فقہ کی بات ہے جب وہ ضان کے معنی چکتی والا کہتے ہیں تو وہی مانا جائے گا اور بھیڑ دنبہ میں شامل نہ ہوگی۔

رہ گئی یہ بات کہ اہل فقہ اور اہل لغت کے معنی میں اختلاف ہوتا ہے تو اس کی نظیر قربانی کے جانور میں ہی لفظ ’’جذع‘‘ ہے کہ اہل فقہ چھ ماہ کے بچے کو کہتے ہیں اہل لغت ایک سالہ بچہ کو اور مسئلہ کا حکم اہل فقہ کے قول پر ہی دیا جاتا ہے۔

اپنی اس تقریر پر مولانا نظام صاحب نے خود ہی شبہات قائم فرما کر اس کے جوابات دیئے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

(تیسرا شبہ) بعض فقہاء نے بھی تو ضان کی تعریف مالہ صوف (جس کے اون ہو) سے کی ہے جس کے معنیٰ صاف یہی ہوئے کہ بھیڑ بھی اس میں شامل ہے۔

(جواب) جی ہاں قہستانی نے یہ تعریف کی ہے ’’الضان ماکان من ذوات الصوف والمعز ماکان ذوات الشعر‘‘ لیکن اس کا جواب ہم پہلے ہی دے چکے ہیں کہ یہ تعریف بالاعم ہے۔ بکری اور بیل سے دنبہ کو ممتاز کرنے کے لئے ہے۔ بھیڑ سے ممتاز کرنے کے لئے نہیں۔ (جب اس کی ضرورت ہوئی تو یہ تعریف کیا مالہ الیة جس کی چکتی ہو تا کہ بھیڑ نکل جائے)۔

ہماری اس بات پر قرینہ یہ ہے کہ تعریف میں لفظ ''من'' استعمال کیا گیا ہے جس کے معنی بعض ہوتے ہیں۔ تو تعریف کی عبارت کا ترجمہ یہ ہوا ''ضان اون والے جانوروں میں سے بعض ہے'' اور دوسرا قرینہ یہ ہے کہ بکری کی تعریف میں بھی یہی کہا گیا ''ما کان ذوات الشعر'' جو بال والی ہو۔ تو اگر اس عبارت کا یہ مطلب نہ لیا جائے کہ بکری بال والے جانوروں میں سے بعض ہے تو بیل بھینس وغیرہ بھی بکری میں شامل ہو جائیں گے۔ پس اس مجبوری سے جب بکری والے تعریف بالاعم قرار دیا تو ضان والی تعریف کو بھی تعریف بالاعم قرار دیں۔ (کیوں کہ دونوں جملے ساتھ ساتھ ہیں تو دونوں کا حکم یکساں ہونا چاہئیے)

اس پر ایک سوال قائم کرتے ہوئے انہوں نے پھر لکھا:

(سوال) آپ نے اس سے قبل کہا کہ ''ضان'' کا ترجمہ ''میش'' (بھیڑ) اہل لغت کرتے ہیں۔ اگر اہل فقہ یہ ترجمہ کرتے تو ہم بھی تسلیم کر لیتے کہ ضان بھیڑ کو شامل ہے۔ اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ صاحب اشعۃ المعات تو ائمہ فقہ وحدیث میں سے ہیں اور انہوں نے بھی اہل لغت والا ترجمہ کیا ہے۔ تو آپ کو کیا عذر ہے۔

(جواب) شیخ محقق کے اس ترجمہ سے جاہلوں کی طرح خوش ہونے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ شیخ کے اس لفظ میش سے دنبہ اور بھیڑ دونوں ہی مراد ہونگے یا ان میں سے کوئی ایک۔ اور دونوں مراد ہونگے تو بطور حقیقت ومجاز یا اشتراک یا عموم مجاز تو حقیقت ومجاز یا اشتراک کے طور پر دونوں معانی کا ایک ساتھ مراد لینا اصول لسان کے اعتبار سے ناجائز ہے۔ اور بطور عموم مجاز دونوں ایک ساتھ مراد لینے پر یہ خرابی لازم آتی ہے کہ قربانی کے کل چھ قسم کے جانور ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ ہم ثابت کر آئے ہیں کہ پانچ ہی ہیں اور ایک ہی مراد لیں اور وہ بھیڑ ہو تو دنبہ چھوٹ جاتا ہے جو باالاتفاق قربانی کا جانور ہے۔

سوال کا ایک دوسرا پہلو نکالتے ہوئے کہتے ہیں:

(مزید سوال) آپ کی یہ ساری تقریر ضان کے معنی دنبہ لینے پر بھی جاری ہوتی ہے۔ تو یہ مراد لینا بھی ممنوع ہوا۔

پھر اس سوال کا جواب اس طرح دیا:

(جواب) جب فقہاء نے چکتی والا کہہ کر اسی جانور کو متعین کر دیا تو اب ہم کو اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ وہ معنی مجازی ہے یا حقیقی یا بطور اشتراک۔ پس ان نصوص فقہیہ کی روشنی میں ہمارا فیصلہ تو یہی ہے کہ بھیڑ کی قربانی ناجائز ہے۔ اگر دوسری کسی کتاب میں اس کے جواز کا حکم ہو بھی تو احتیاط اس سے بچنے میں ہی ہے کہ عدم جواز کے یہ دلائل قاہرہ ہم نے ظاہر کر دیئے اور یہ کہنا کہ بزرگوں سے ایسا ہوتا آیا ہے۔ یا میش کے معنی بھیڑ ہیں یہ تار عنکبوت سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتے''

یہ فتویٰ صحیح ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور غلط ہو تو میری طرف سے اور شیطان کی طرف سے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مولانا نظام الدین نے اپنی ان مباحث کا ماخذ مندرجہ ذیل کتابوں کو بتایا تھا جو مدلل بھی ہیں اور ہمارے لیے صحت بھی۔ وہ کتابیں یہ ہیں:

(۱) شرح وقایہ (۲) ذخیرۃ العقبیٰ حاشیۃ شرح الوقایہ (۳) درمختار (۴) ردالمحتار (۵) مفاتیح الجنان شرح شرعۃ الاسلام (۶) التعلیق المجد علی مؤطا امام محمد (۷) اشعۃ المعات (۸) رمز الحقائق فی شرح کنز الدقائق (۹) جامع الرموز (۱۰) کلام لفاضل الاہوری (۱۱) غیاث الغاۃ۔

قارئین اندازہ لگا سکتے ہیں بھیڑ کی قربانی کے عدم جواز پر بظاہر کتنا عمدہ اور مدلل فتویٰ مولانا نظام الدین نے دیا۔ اپنے جواب پر انہیں اتنا اعتماد اور یقین تھا کہ جواب میں انہوں نے ''اور یہ کہنا کہ بزرگوں سے ایسا ہوتا آیا ہے۔ یا میش کے معنی بھیڑ ہیں یہ تار عنکبوت سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتے'' تک لکھا اور ایک جگہ تو ان کا تیور اتنا جارحانہ ہوا کہ یہ جملہ بھی ان کے قلم سے نکلا ''شیخ محقق کے اس ترجمہ سے جاہلوں کی طرح خوش ہونے کی ضرورت نہیں''۔۔ ان کا یہ جواب علمی اعتبار سے بڑوں بڑوں کو مسحور کرنے والا ہے اور اتنا مدلل ہے کہ بظاہر بھیڑ کی قربانی کے جواز کی ساری راہیں بند ہیں مگر ابھی امام احمد رضا زندہ تھے اور علما کا مرکز ومرجع تھے بغیر ان سے رجوع کئے کسی نئی تحقیق کو کیسے قبول کیا جا سکتا تھا اسی لئے انہوں نے اس جواب کے ساتھ ان سے رجوع فرمایا۔ امام احمد رضا نے اس فتویٰ کو نقد وجرح کے میزان پہ رکھا اور جواب میں کتنا سقم ہے اور صحیح مسئلہ کیا ہے بالکل آئینہ کر دیا۔

اب مذکورہ فتویٰ پر امام احمد رضا کی تنقیدات، نادر تحقیقات اور زیر بحث مسئلہ کا اصل رخ ملاحظہ کریں:

پہلی دلیل میں آپ نے فرمایا کہ صرف انعام ہی قربانی کے جانور ہیں۔ حوالہ میں قرآن کریم کی آیت پیش فرمائی ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ تمہارے لیے حلال کئے گئے انعام سوا ان کے جن کی ممانعت تم پر پڑھی جاتی ہے تو دور ہو بتوں کی گندگی سے، اور بچو جھوٹی بات سے، ایک اللہ کے ہو کر پھر اس کا ساجھی کسی کو نہ کرو۔ اور جو اللہ کا شریک کرے وہ گویا کہ آسمان کے پرندے اسے اچک لے جاتے ہیں یا ہوا اسے کسی دوسری جگہ پھینکی ہے۔ بات یہ ہے اور جو اللہ کے نشانوں کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کی پرہیز گاری سے ہے۔ تمہارے

لئے انعام میں فائدے ہیں ایک مقرر میعاد تک پھر ان کا پہنچنا ہے اس آزاد گھر تک۔ اور ہر امت کے لئے ہم نے ایک قربانی مقرر فرمائی کہ اللہ کا نام لیں اس کے دیئے ہوئے بے زبان چوپایوں پر۔ تو تمہارا معبود ایک معبود ہے تو اسی کے حضور گردن رکھو۔ (سورہ حج پ ۱۷)

ان آیات کا مفاد یہ ہے کہ جانوروں میں صرف انعام ہی قربانی اور ہدایا کے لئے مخصوص ہیں۔ حضرت امام بغوی نے اس مضمون پر تفسیر معالم میں دوسری آیت کے تحت تصریح فرمائی یعنی ان جانوروں کے ذبح اور نحر کے وقت بسم اللہ اللہ اکبر کہو۔ ان جانوروں کو انعام کہنے کی وجہ ان کا نہ بولنا ہے انعام کی قید اس لئے لگائی کہ کچھ بہائم ایسے ہیں کہ قربانیوں میں ذبح نہیں کیے جاتے۔ جیسے گھوڑا، خچر، گدھا۔

اس کے بعد اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

اتنا ثابت ہو جانے کے بعد اس کی ضرورت تو نہ تھی کہ ہم بھیڑ کا انعام ہونا بھی ثابت کریں۔ اور یہ کہ یہ اہلی ہے وحشی نہیں ہے۔ دو کھر والا چوپایا ہے مگر ہم شہادتیں فراہم کر آئیں ہیں۔ انعام کھر دار جانور اور خف والے یہ ابل، بقر، غنم ہیں (مصباح المنیر) اگر اس کے بعد بھی شبہ ہو تو بتاؤ کیا یہ وحشی ہے یا درندہ ہے کہ پرندہ ہے یا حشرات الارض میں سے ہے۔ سم والوں میں سے ہے یا کوئی ایسی قسم جس کی نسل ختم ہو گئی ہے۔

پھر آپ نے بکری کے انعام میں سے ہونے میں دلائل دیتے ہوئے فرمایا:

ارشاد الٰہی ہے "من الانعام حمولة وفرشا" شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ میں فرمایا "پیدا کیئے مواشی میں لدنے والے اور دبے" اور فوائد میں فرمایا "لدنے والے اونٹ اور بیل اور دبنے والے بھیڑ اور بکری۔

تیسری دلیل میں صاف واضح فرما دیا کہ بھیڑ کے قربانی کے جانور ہونے پر اجماع ہے لکھتے ہیں۔

مفتی سابق نے اعتراف کیا۔ اور تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ غنم قربانی کے جانوروں میں سے ہے۔ اور چوپایوں کے درمیان فرق جاننے والے یہ خوب جانتے ہیں کہ بھیڑ غنم میں شامل ہے قرآن عظیم کی آیت "ومن البقر والغنم حرمنا علیهم شحومهما" کا ترجمہ فاضل رفیع الدین دہلوی فرماتے ہیں اور گائے سے اور بھیڑ بکری سے حرام کیں ہم۔ اوپر ان کے چربیاں ان کی۔

امام احمد رضا نے اس پر اکتفا کرنے کے بجائے بھیڑ کی مزید تحقیق کرتے ہوئے فرمایا:

اس بات کا فیصلہ کہ بھیڑ غم میں داخل ہے یا نہیں وہی حضرات علماء کر سکتے ہیں جن کو تینوں زبانوں میں مہارت ہو تو ان زبانوں کا عالم یہ خوب جانتا ہے کہ جس جانور کو ہندی میں بکری اور اس کے نر کو مادہ کہتے ہیں۔ فارسی میں اسی کو بز اور عام بول چال میں گوسپند اور عربی میں معز اور عام بول چال میں غنم وشاۃ کہتے ہیں۔ اس کے مذکر کو "تیس" اور "ماعز" کہتے ہیں اور مؤنث کو "عنز" اور "ماعزہ" کہتے ہیں۔

اسی طرح یہ بھی معروف بات ہے کہ ہندی میں جس جانور کو بھیڑ جس کا مذکر مینڈھا، اور بعض کی زبان میں بھیڑا کہتے ہیں اسی کی مونث کو بعض لوگ بھیڑ اور بعض بھیڑی کہتے ہیں۔ اسی کو فارسی میں "میش" اور عام بول چال میں گوسفند۔ اس کا مذکر مناطح، قوچ کہلاتا ہے یہی عربی میں ضان اور دونوں اطلاقوں میں شاۃ و غنم کہلاتا ہے۔ اس کا مذکر "ضان وکبش" اور مؤنث کو "نعجہ" کہا جاتا ہے۔

"ثمانیة ازواج من الضان اثنین" پیدا کئے آٹھ نر و مادہ بھیڑے اور بکری سے دو (از موضح القرآن) آٹھ جوڑے، بھیڑوں میں سے دو، بکری میں سے دو، (شاہ رفیع الدین) "آفرید ہشت قسم از گوسفند دو قسم واز بز دو قسم (شاہ ولی اللہ) ضان، "ضائن" کی جمع، ماعز کے خلاف۔ اور یہ غنم ہی کی دو نوعیں ہیں۔ پہلے کو فارسی میں میش اور ثانی کو بز کہتے ہیں۔ اور غنم ہی کے ہم معنی لفظ شاۃ ہے جس کا اطلاق دونوں نوعوں پر ہوتا ہے۔ اور اس معنی میں فارسی لفظ گوسفند بولا جاتا ہے۔ اسماء اور صحاح میں ایسا ہی ہے۔ (مختصراً) (ذخیرہ عقبیٰ چلپی)

بھیڑا فارسیہ میں میش نر اور عربی میں ضان ہے۔ (نفائس) بھیڑ ہندی میں غنم ہے اور غنم "ضان" ہے اور ضان فارسی میں میش ہے۔ (تحفۃ المؤمنین) ضان "میش"۔ ضائن میش نر (منتخب رشیدی)

"ضائن" "میش نر خلاف ماعز اور اس کی جمع "ضان" خلاف معز۔ (صراح)

ان سب شہادتوں میں ضان اور میش ایک ہی چیز قرار دی گئی ہے اور اسی کو ہندی بھیڑ بتایا گیا ہے اگر اس کے بعد بھی شبہ ہو کہ یہ دونوں ایک نوع نہیں ہے تو بھیڑوں کا ایک گلہ (جھنڈ، ریوڑ) لیکر عرب اور فارس کے شہروں اور دیہاتوں میں پھر کر جنگلوں اور پہاڑوں آبادیوں اور ویرانوں میں گھوم گھوم کر ہر ایک شہری و دیہاتی عالم و جاہل سے سوال کرو تو سارے عرب یہ کہیں یہ ضان ہے، غنم ہے، شاۃ ہے، کبش ہے، نعجہ ہے۔ اور فارسی کہیں یہ میش ہے، گوسپند

ہے، توحق بات تسلیم کرو اور اگر عرب اس کو گوریا، کٹکھنا، یا ہاتھی، یا اہل فارس اس کو گورخر، یا چیتا، یا الو کہیں تو تم معذور ہو گے۔

پانچویں دلیل الزامی دی ہے چنانچہ آپ نے لکھا ہے:

لمبی اور دراز سینگ والے ہاتھی کو کوئی فیل نہ مانے تو اس کے علاوہ کیا سبیل ہے کہ اہل عرب سے یہ کہلا دیا جائے کہ ہمارے یہاں سب لوگ اسے فیل ہی کہتے ہیں۔ جیسے اگر کوئی بمبئی کا انکار کرے تو اس کی سبیل بھی یہی ہے کہ بمبئی شہر دکھا کر لوگوں سے کہلا دیا جائے کہ سب لوگ اسی کو بمبئی کہتے ہیں۔

مولانا نظام الدین کے موقف کے رد میں چھٹی دلیل آپ نے دیتے ہوئے لکھا:

یہ کہنا کہ بھینس کو گائے کے ساتھ از روئے قیاس لاحق کیا گیا غلط ہے۔ کیوں کہ یہ مسئلہ قیاسی ہے ہی نہیں اگر قیاس پر مدار ہوتا تو سفید نیل گائے کو گائے کے ساتھ اور پہاڑی بکرے اور ہرن کو بکری کے ساتھ لاحق کرنا بدرجہ اولیٰ بہتر ہوتا لیکن ایسا جائز نہیں۔ علامہ اتقانی نے ’’غایۃ البیان‘‘ میں فرمایا قربانی کا مسئلہ بالکلیہ غیر قیاسی ہے کیونکہ خون بہانا کار ثواب ہو یہ بات غیر معقول ہے۔ اس لئے جن جانوروں کو شرع نے جائز قرار دیدیا ان کے علاوہ مثلاً وحشی جانوروں کی قربانی شرعاً جائز نہیں۔ علامہ عینی نے رمز الحقائق میں تحریر فرمایا قربانی حکم الٰہی سے خلاف قیاس ثابت ہوتی ہے۔ تو اسی پر اقتصار کیا جائے گا۔ علامہ طوری تکملہ بحر الرائق شرح کنز الدقائق میں تصریح فرماتے ہیں قربانی کا جواز شرع مطہر میں انہیں جانوروں میں ثابت ہے جو اہلی ہوں وحشی میں نہیں اور یہاں قیاس کو باریابی کی اجازت نہیں۔

تو حقیقت حال یہ نہیں ہوئی کہ اکمل کو کامل کے ساتھ لاحق کیا گیا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ علماء کے نزدیک بھینس کا گائے ہی کے نوع میں ہونا ثابت ہوا۔ تو انہوں نے کہا کہ قرآن کا لفظ بقر بھینس کو شامل ہے۔ اس لئے مسئلہ ہٰذا کے لیے الحاق والے قاعدہ کے سہارے کی بالکل ضرورت نہیں۔

یہ امور ہدایہ، خانیہ، رمز الحقائق، تکملہ طوری، مستخلص الحقائق شرح منلا مسکین، طحاوی علی الدر، شرح نقایہ، برجندی، جامع الرموز، جامع المضمر ات، مجمع الانہر عن المحیط، فتح اللہ المعین عن التبیین، بحر الرائق، ولوالجیہ، ہندیہ عن البدائع، رد المحتار عن البدائع وعن معرب، منصوص ہیں۔ ضرورت پر ساری کتابیں پیش کی جا سکتی ہیں الحمد للہ ساری کتابیں میری ذاتی ہیں۔

ہاں ان حضرات نے ایک لفظ ایسا ضرور کہا ہے جس سے یہ شبہ ہو کہ گائے اور بھینس میں تغایر ہے اور وہ کنز، تبیین، بحر، نحر، شرنبلالیہ، مجمع الانہر ابی سعود، وغیر میں ذکر کیا ہوا لفظ ’’الجاموس کالبقر‘‘ ہے لیکن اس سے دھوکہ کھانا غلط ہے کیونکہ یہ ایسے ہی ہے جیسے علماء اونٹ کے سلسلہ میں فرماتے ہیں ’’البخت کالاعراب‘‘ بیان مسئلہ میں اونٹ مقسم کی طرح پیش کیا گیا ہے اس کے باوجود جب بخت واعراب دو نوع نہ ہوئے۔ تو صرف کاف تشبیہ کی وجہ سے بقر و جاموس دو نوع کیسے ہونگے۔ اور خاص کر مجیب صاحب کو تو یہ شبہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ انہوں نے خود ہی رد المحتار کی عبارت ’’البقر بنوعیه‘‘ اور مفاتح الجنان کا حوالہ ’’ان الجاموس داخل فی البقر‘‘ (بھینس گائے میں شامل ہے) اور اشعۃ اللمعات سے ’’جاموس نوع از بقر‘‘ (بھینس گائے کی ایک قسم ہے) نقل کیا ہے۔

حیرت ہوتی ہے کہ اسکے باوجود کس طرح مجیب نے قربانی کے جانور کی پانچ قسمیں کیں، اور بھینس کو الگ ایک نوع قرار دیا۔ پس واضح ہوا کہ پانچ نوع قرار دینا غلط اور بھیڑ کو چھٹی قرار دے کر اس سے انکار کرنا غلط در غلط ہے۔

ایک بات یہ بھی قابل غور ہے کہ گائے اور بھینس میں صورتاً اور معنیً بناوٹ، طبیعت، گوشت، اور دودھ، مزے اور اعمال و آثار میں تباین ظاہری ہے۔ جس کے پیش نظر عقل کا فیصلہ یہی ہے کہ ان دونوں میں تباین نوعی ہے۔ بھینس کی قربانی نہ ہونا چاہئے مگر جائز ہے تو یہ ایک خلاف قیاس حکم ہے۔

خلاصہ اتقانی چلبی میں ہے ’’بھینس کی قربانی استحساناً جائز ہے‘‘ فاضل عبد الحی لکھنوی کی ’’شرح مختصر وقایہ‘‘ میں ہے ’’گائے کی طرح ہے یہ اسی کی ایک نوع ہے‘‘۔ روضہ میں ہے اس کی قربانی استحساناً جائز ہے۔ قیاس میں تو جائز نہ ہونا چاہئے۔ عرف کے اعتبار سے گائے اور بھینس کا تغایر ظاہر ہے اسی لئے اگر کوئی قسم کھائے کہ گائے کا گوشت نہیں کھائے گا، تو بھینس کا گوشت کھانے سے حانث نہ ہوگا۔ یہ مسئلہ ہدایہ کتاب الزکوۃ میں ہے۔ اور خانیہ میں ہے بھینس کی قسم کھائی تو گائے کا گوشت کھانے سے حانث نہ ہوگا۔

اور اگر خالی اعضاء کی تعداد میں موافقت کی وجہ سے گائے اور بھینس کے ایک نوع ہونے کا خیال کیا جائے، تو گھوڑے گدھے میں اس سے زیادہ یکسانیت ہے۔ حالانکہ وہ دونوں عرفاً اور شرعاً ہر لحاظ سے دو متباین نوعیں ہیں۔

اور تم چاہو تو کہہ سکتے ہو کہ گائے اور بھینس میں اعضاء کی تعداد

میں بھی مواقفت نہیں ہے کیونکہ گائے کی گردن میں فاضل کھال لٹکتی ہے جو بھینس میں نہیں ہوتی اور گائے کے جسم پر گھنا بال پورے بدن پر اگا رہتا ہے اور بھینس کے جسم پر چند قلیل بال ہوتے ہیں۔ پس جب ان سارے اختلافات کے باوجود استحسان میں گائے اور بھینس ایک جنس ہوئے تو دنبہ اور بھیڑ کی ایک جنس ہونے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے کیونکہ ان میں تو مذکورہ بالا اوصاف میں سے کسی میں اختلاف نہیں اگر ایک رنگ کے دنبہ اور بھیڑ کو آگے سے دیکھئے تو فیصلہ مشکل ہوگا کہ کون بھیڑ اور کون دنبہ ہے۔ ہاں صرف یہ بات ہے کہ دنبہ کی دم چوڑی اور چھوٹی ہوتی ہے اور بھیڑ کی دم لمبی اور بال دار ہوتی ہے لیکن یہ کوئی بات نہیں اس سے بڑے بڑے اختلافات ایک نوع کے افراد میں اختلاف آب و ہوا کی وجہ سے پائے جاتے ہیں۔ اور ان کا لحاظ کر کے کوئی اختلاف نوع کا حکم نہیں لگا تا۔

امثلہ: (۱) آدمیوں میں حبشیوں کا ہونٹ نہایت موٹا ہوتا ہے۔ (۲) ترکیوں کی آنکھیں چھوٹی ہوتیں ہیں۔ (۳) چینیوں کی ناک چپٹی ہوتی ہے۔ (۴) اور بعض وحشی ترکیوں کی دم پر دم ہی کی طرح ایک بالشت تک لمبا گوشت کا ٹکڑا ہوتا ہے۔ (۵) عام عورتوں کی شرم گاہ میں چو پارہ گوشت ابھرا ہوا ہوتا ہے۔ مراکشی عورتوں میں خلقتاً نہیں ہوتا۔ (۶) ایسا بھی تو ہوتا ہے کہ آدمی کے کبھی چھ انگلی ہوجاتی ہے۔ چنانچہ فقہاء کا جزیہ ہے اگر کسی آدمی کے دو دو ہاتھ ہوں یا دو دو پاؤں یا ایک ہاتھ میں دو ہتھیلیاں، تو کیا وضو میں دونوں کا دھونا واجب ہے؟ یہ مسئلہ بحر، نہر، درر اور ہندیہ میں مصرح ہے۔ (۷) میں نے بعض شہروں میں اونٹ دیکھے ہلکے پھلکے لمبے بال والے جن کے پشت پر دو کوہانیں تھیں۔ جن کے بیچ میں ایک آدمی کے بیٹھنے کی جگہ تھی۔ (۸) امام قزوینی نے عجائب المخلوقات میں اور دمیری نے حیات الحیوان میں تحریر کیا ہندوستان کے بعض دُنبے آتے ہیں جن کے سینے پر چکتی ہوتی ہے۔ اور دونوں منڈھوں پر دو چکتی اور رانوں پر دو چکتی اور دم پر ایک چکتی ہوتی ہے جو اتنی بڑی ہوتی ہے کہ لکڑی کی چھوٹی گاڑی پر وہ چکتی رکھ دی جاتی ہے، اور گاڑی دنبہ کے سینہ سے باندھ دی جاتی ہے جسے وہ کھینچ تا جاتا ہے۔

مذکورہ بالا سارے اختلافات جو اعضاء کی کمی بیشی میں واقع ہوئے، چہ جائے کہ ان کے بڑے اور چھوٹے ہونے کا اختلاف۔ تو کیا کوئی عاقل اس کی وجہ سے جانوروں کی نوع میں اختلاف ہونے کی بات کرے گا۔ اور کہے گا کہ یہ دو کوہان والے اونٹ اونٹ ہی نہیں۔ نہ ان کی قربانی ہوسکتی ہے نہ یہ سائمہ جانور میں شمار ہونگے نہ ان پر زکوۃ ہوگی۔

ساتویں دلیل میں بکری کی قسموں کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

چنانچہ آپ نے آگے لکھا

"عربی و عجمی اہل تفسیر و حدیث اہل فقہ و لغت اس بات پر متفق ہیں کہ بکری کی دو قسمیں ہیں ضان اور معز جس کی تعبیر فارسی میں میش اور بز سے کی جاتی ہے اور دونوں میں ایسا اختلاف ہے کہ جو معز ہے ضان نہیں اور جو ضان ہے معز نہیں"۔

حوالے: ضائن ماعز کے خلاف اور اس کی جمع ضان ہے (علامہ خفاجی حاشیہ بیضاوی) ضوائن اون والی، ضائنہ کی جمع یہ بکری کی ایک قسم، خلاف ماعز ہے (مجمع بحار الانوار) ضائن معز کے خلاف غنم میں سے (مرقاۃ) غنم اسم جنس ہے یہ ضان و معز مذکر و مؤنث دونوں پر بولا جاتا ہے۔ اور ضان اور معز میں اختلاف ہے (شرح کنز علامہ مسکین) معز ضان کے خلاف ہے غنم ہی کی ایک قسم ہے (قاموس)۔ ضائن بکریوں میں معز کے خلاف اور جمع ضان، محاورہ ہے اپنے ضانوں کو ماعز سے الگ کرو (قاموس)۔ ضائن ماعز کا ضد ہے اور جمع ضان اور معز ہے (مختار الصحاح رازی)۔ معز بکریوں میں ضان کا ضد ہے (مختار الصحاح رازی)۔ گوسفند معنیٰ میں میش کے جو بز کا مقابل ہے جیسا کہ معز عربی میں ضان کا مقابل ہے (غیاث اللغات بحوالہ مجیب)۔ جس حیوان کو عرب ضان کہتے ہیں فارسی میں میش کہتے ہیں (تقریر مجیب)۔ غنم کی دو قسمیں ہیں معز کہ اس کو بز کہتے ہیں اور ضان کہ اس کو میش کہتے ہیں (شیخ محقق بحوالہ مجیب)۔ بکری اپنی دونوں نوعوں کے ساتھ (شامی بحوالہ مجیب)۔

تو ایک طرح اجماع ہوگیا کہ غنم صرف دونوں میں منحصر ہے۔ جو غنم معز نہیں وہ ضان ہے۔ اور جو ضان نہیں وہ معز ہے۔ تو لامحالہ بھیڑ کو بھی ضان یا معز کسی میں داخل ماننا پڑے گا۔ اور اگر کچھ شبہ ہو تو قطعی ہے کہ یہ بہیمۃ الانعام میں داخل ہے۔ اور بہ اتفاق علماء انعام کی صرف چار قسمیں ہیں اس امر کی تصریح امام بغوی نے معالم میں اور رازی نے مفاتیح میں رومی نے ارشاد میں ملا علی قاری نے مسلک المتقسط میں، اور فاضل ظاہر نے مجمع البحار میں کی ہے۔ اور ان کے علاوہ نے دوسری کتابوں میں کی ہے۔

اور آپ اس کو گائے یا اونٹ میں شامل کرنے کی جرأت کر ہی نہیں

سکتے، لامحالہ یہ ضان میں ہی شامل ہوگا، معز یا بکری تو ہوگا نہیں کہ اس کے اون ہوتا ہے اور معز کے اون نہیں ہوتا کیونکہ آپ کا یہ خود اعتراف ہے کہ یہ اون والی ہے تو دیکھئے آپ ہی کی دلیل نے آپ کا کیسا رد کیا اور صاف ظاہر ہوگیا کہ چکتی مابہ الامتیاز نہیں۔ ورنہ بھیڑ کو معز میں داخل کرنا ہوگا۔ اور آپ اس کو دونوں ہی سے خارج کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ اور اسی سے آپ کے دعویٰ کا رد بھی ہوگیا کہ یہ قربانی کا جانور نہیں۔

آٹھویں دلیل میں حقیقت ومجاز کو بحث کا حصہ بنایا گیا ہے۔

امام احمد رضا فرماتے ہیں

''اس پر مجیب کی اس قسم کی ساری تدقیقات کہ میش ذوات الیہ میں حقیقت ہوگا یا مجاز یا مشترک سب کا مبنیٰ یہ تھا کہ چکتی کو میش کی حقیقت میں بنیادی دخل ہے۔ اور جب یہ معلوم ہوگیا کہ یہ بنیاد ہی غلط ہے تو یہ تدقیقات بھی بے حقیقت ہوگئیں۔ اور انہیں پر مبنی یہ حکم بھی کہ غنم کی دو ہی قسم نہ رہیں گی بھیڑ کے بعد اس کی تین قسمیں بنیں گی۔

نویں دلیل کا علمی رنگ ملاحظہ کریں:

یہ بات بلاشبہ صحیح ہے کہ کبھی کبھی تعریف وتفسیر لفظ اعم سے بھی ہوتی ہے جیسا کہ مجیب نے دعویٰ کیا ہے لیکن یہ بات کہ لفظ ضان کی تفسیر میں میش کا ذکر بھی یونہی ہے بے حقیقت بات ہے۔ بلکہ شہادت اس کے خلاف ہے کیونکہ یہ تفسیر ایک ایسے حکم کے بیان کے سلسلہ میں ہے جو ضان کے ساتھ ہی خاص ہے۔ جیسے صاحب اشعۃ اللمعات کا یہ کہنا کہ ضان کا چھ ماہ بچہ بھی جائز ہے۔

لغات فقہاء وادباء سے استدلال کرتے ہوئے دسویں دلیل یوں بیان فرمایا:

نیز یہ بات بھی صحیح نہیں ہے کہ اعتبار فقہاء کی لغت کا ہے نہ ادیبوں کی لغت کا جب خطاب زبان عرب میں ہے تو جب تک منقول ہونے کا ثبوت نہ ہو ضروری ہے کہ لغوی معنیٰ ہی مراد ہونگے۔ اس کی تائید ابن ہمام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس فرمان سے ہوتی ہے کہ ''لغۃً زنا سے پیدا ہونے والی لڑکی کو بنت ہی کہا جاتا ہے اس لئے قرآن کے فرمان وبناتکم میں یہ بھی داخل ہوگی اور زانی کا نکاح ایسی لڑکی سے حرام ہوگا۔ (امام ابن ہمام، بحر، شامی)۔

اس بحث کی گیارہویں دلیل میں آپ نے ضان اور معز کے فرق کی تحقیق لغوی کی ہے چنانچہ آپ نے لکھا ہے:

''یہ امر بھی قابل غور ہے کہ علمائے تفسیر وحدیث اور فقہ، لغت کی بڑی تعداد نے ضان اور معز کی تفریق میں صوف اور بال کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ تو تفسیر بالعام وغیرہ کی تاویل ان کے کلام میں نہیں کرنی چاہیئے۔ بلکہ ان قلیل التعداد علماء کے کلام میں جو ایک لفظ خاص ''ذت الیۃ'' (چکتی والی) سے تعبیر کرتے ہیں۔

حوالے: بغوی معالم التنزیل:۔ ضان ونعجہ، نر و مادہ اون والی بکری کو کہتے ہیں، اور بال والی کو معز۔

امام رازی تفسیر کبیر: اون ولی بکری ضان ہے اور بال ولی معز

۔

مصباح المنیر وحیواۃ الحیوان: بکری کی اون والی قسم ضان کہلاتی ہے۔

طحاوی شرح نقایہ، ردالمحتار: ضان اون والی اور معز بال والی۔

بحر الرائق، غنیۃ ذوی الاحکام، فتح اللہ المعین، عن معراج الدرایہ: (ایضاً)

حدیث اما احمد بن حنبل، ابن ماجہ کا اشارہ یہی ہے: زید ابن ارقم کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یہ قربانیاں کیا ہیں فرمایا تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت پوچھا ہم کو کیا ملے گا۔ فرمایا اس کے ہر بال کے برابر نیکی۔ لوگوں نے عرض کیا ان کے بارے میں کیا ارشاد ہے، فرمایا اس کے بھی ہر بال کے برابر نیکی ملے گی۔ مرقات میں ہے۔ حدیث شریف میں بال سے اشارہ بکری کی طرف تھا تو لوگوں نے صوف کہہ کر ضان کے بارے میں پوچھ لیا ساتویں تنبیہ اور دلیل میں عنایہ، مجمع، مرقات، شرح کنز، ذخیرہ عقبیٰ، قاموس، صراح، مختار الصحاح، غیاث اللغات، کی عبارتوں کا مفاد بھی یہی ہے۔ کیونکہ ضان اور معز کے علاوہ کوئی اور نوع ہوتی جس کی وجہ امتیاز چکتی ہوتی تو ضان اور معز میں جنس غنم کا انحصار باطل ہوجاتا۔

اس طرح آپ نے اکیس نصوص بیان فرمائے اور اس کے بعد فرمایا:

یہ اکیس نصوص ہیں۔ اور جو مذکور نہ ہوئے اس سے بہت زیادہ ہیں سب اس بات کا فیصلہ کررہے ہیں کہ ضان اور معز میں فرق اون سے ہے، چکتی سے نہیں۔ اس طرح مجیب نے لاعلمی میں ہی صحیح یہ اعتراف کرلیا کہ بھیڑ ضائن میں شامل ہے آگے علی الاعلان اعتراف کرنا پڑے گا۔ عام سے تفسیر ماننے میں ایک خرابی یہ بھی ہے کہ

متقدمین نے اسے صرف مباح مانا ہے۔ ایسی تعریف عمدہ نہیں ہے۔

میر سید شریف رحمۃ اللہ علیہ نے ’’شرح مواقف‘‘ میں فرمایا:

’’متاخرین نے تعریف میں مساوات کی شرط لگائی اور متقدمین نے کہا کہ جو تمام مشارکات سے تمیز دیدے وہ رسم تام ہے۔ اور جو بعض سے ممتاز کرے وہ رسم ناقص ہے اور تعریف تبھی عمدہ ہے کہ مساوی سے ہوتا کہ امتیاز کامل حاصل ہو۔‘‘ اور حسن چلپی نے بھی حاشیہ تلویح میں فرمایا: ’’تعریف کی عمدگی کے لئے مساوات شرط ضروری ہے۔ تو یہ علماء جس بات کو غیر عمدہ بتادیں ان کے کلام کو اسی پر حمل کرنا کوئی عمدہ بات نہیں۔

بارہویں دلیل میں مزید تشریح کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت نے فرمایا

ایک بات یہ بھی قابل غور ہے کہ بالفرض یہ تسلیم کرلیا جائے کہ عام اور مساوی دونوں کے ساتھ تعریف ہم پلہ ہی ہے پھر بھی سخن فہم خوب جانتے ہیں کہ لفظ تعریف سے ذہن کی سبقت تساوی کی طرف ہی ہوتی ہے۔ اور بغیر کسی قرینہ کے متبادر کو چھوڑ کر اعم مراد لینا خلاف نقل وعقل ہے۔ امام تفتازانی نے حاشیہ توضیح میں تصریح فرمائی کہ کتب لغت میں عام کے ساتھ تفسیر عام ہے۔ اس کے باوجود ’’فائق‘‘ کے قول ’’الحمد هو المدح‘‘ کی شرح میں فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حمد اور مدح دو مرادف لفظ ہیں۔ شرح حاشیہ کشاف بحوالہ چلپی۔

اس کا مطلب اس کے سوا کیا ہوا کہ احتمال اعم ہونے کے باوجود انہوں نے ظاہر متبادر و مساوی پر کلام ’’فائق‘‘ کو محمول کیا ٹھیک اسی طرح میر سید شریف نے بھی یہ اقرار کرتے ہوئے کہ تعریف اعم بھی جائز ہے۔ شرح کشاف میں ’’المدح والحمد اخوان‘‘ فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ کسی چیز کا محتمل اور جائز ہونا اور بات ہے اور اس کا محمول اور مراد ہونا اور بات ہے۔ پس ثابت ہوا کہ متبادر سے پھرنے اور محتمل پر کلام حمل کرنے کے لئے واضح قرینہ ضروری ہے۔

تیرہویں دلیل میں اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے مزید توضیح فرمائی کہ سچائی یہی ہے کہ اعم سے تفسیر اسی وقت جائز ہے۔ جبکہ اس سے مراد خاص ہو پھر آپ نے اپنے دعویٰ کو اہل عرب کے قول، محاورہ اور لغات کے حوالہ سے مزین فرمایا ہے۔ تو لغت کا حال یہ ہے کہ بولیں عام اور مراد لیں خاص تو شریعت غراء جس میں خاص شیٔ کے احکام مخصوصہ کا بیان ہوتا ہے۔ عام بول کر عام ہی کس طرح مراد لیں گے؟ یہاں بغیر قرینہ کے تفسیر بالاعم غلط اور باطل ہوگی۔

چودھویں دلیل: دلیل تنویری سے موسوم ہے جس میں اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے تفسیر بالاعم لینے کی صورت میں کیا کیا خرابی لازم آئے گی آیات قرآنیہ، اقوال فقہاء، علمائے محققین اور محدثین کی روشنی میں واضح فرمایا ہے۔

پندرہویں دلیل: اس کی نوعیت یہ ہے کہ تعریف کا مسئلہ اجتہادی نہیں بلکہ تقلیدی ہے۔ جیسا کہ مجیب صاحب کا دعویٰ ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ فرماتے ہیں میں بھی کہتا ہوں تقلیدی ہے مگر اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ کن لوگوں کی تقلید کی جائے اور کن کی نہیں کی جائے۔ پھر آپ نے ارشادات علماء وفقہاء سے اپنے دعویٰ کو مبرہن اور مولانا نظام الدین کی سند کے سقم کو واضح فرمایا ہے۔

سولہویں دلیل: اس میں اعلیٰ حضرت نے متقدمین کی مسلک کی وضاحت فرمائی کہ ان کے نزدیک جس طرح اعم سے تعریف جائز اسی طرح اخص سے بلکہ مبائن سے امتیاز ہوجائے تو اس سے بھی تعریف جائز ہے۔ تو ایسی صورت میں لفظ اعم کی کوئی خصوصیت نہیں رہی پھر آپ نے متعدد دلائل سے اثبات دعویٰ فرمایا ہے۔

سترہویں دلیل میں دنبہ اور بکری کی تعریف میں جو لفظ ’’من‘‘ آیا ہے اس کے معنیٰ کی تحقیق کی گئی ہے اور مولانا نظام الدین کے بیان کردہ معانی اور دلیل کی کمزوری کو ظاہر کی گئی۔

اٹھارہویں دلیل کا ماحصل یہ ہے کہ علماء نے ضان کی تعریف میں ما کان من ذوات الصوف (جس کے اون ہو) اور معز کی تعریف میں ما کان ذوات الشعر (جو بال والا ہو) کہا اس سے ان لوگوں کی تائید ہوتی تھی جو بھیڑ کو ضان (دنبہ) میں داخل مانتے ہیں کہ علماء نے ضانیت کا مدار اون پر رکھا چکتی پر نہیں۔

اس کا جواب فاضل مجیب نے یہ دیا تھا کہ یہ تو جب ہو، جب ہم یہ تسلیم کریں کہ ما له صوف کا لفظ ضان کے مساوی ہے۔ حالانکہ یہ لفظ یہاں بھی ضان سے اعم ہے۔ دلیل یہ ہے کہ ما له شعر کہہ کر بکری کی بھی تعریف کی گئی ہے۔ تو اگر اس تعریف میں بھی مدار بال پر رکھا جائے تو گائے اور بھینس بھی بال دار ہیں، بکری میں شامل ہوجاتے ہیں۔ اسلئے حقیقت یہی ہے کہ اس مقام پر علماء نے ضان اور معز دونوں ہی کی تعریف لفظ عام سے فرمائی ہے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے فاضل مجیب کے دعویٰ کی تردید تقریباً پانچ دلائل سے فرمائی ہے کہ قران فی الفظ، قران فی الحکم کو یہاں مستلزم نہیں ہے۔ نیز قرآن کریم سے اس بات کا اثبات فرمایا کہ لفظ شعر بکری کے ساتھ خاص ہے۔

انیسویں دلیل میں ضان اور صوف کی تحقیق متعدد معتبر ومستند کتب تفاسیر اور لغات وغیرہ سے فرمائی ہے۔ اور اس بات کی مکمل توضیح ہوگئی ہے کہ بھیڑ ضان (دنبہ) میں داخل ہے۔

اس طرح اس مسئلہ کی تحقیق میں آپ نے اپنے علم کے دریا بہادئے ہیں اور ستائیس دلائل کے ذریعہ اس مسئلہ کو بالکل آئینہ کردیا ہے۔ ہم تمام دلائل کے ذکر سے اس مضمون کو بوجھل بنانے کے بجائے آخر کے دو دلائل کا اجمالی ذکر کرتے ہوئے اسے ختم کرتے ہیں۔

اس رسالہ کی چھبیسویں دلیل میں آپ نے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فتویٰ کو بنیاد بنایا ہے اور پھر فیصلہ فرماتے ہوئے لکھا ہے کہ بھیڑ بے چکتی کی ہوتی ہے تب بھی یہ انعام میں داخل ہے تو قربانی کا جانور ہے۔ اس بحث کو آپ نے تقریبا آٹھ دلائل سے مدلل کیا ہے۔

ستائیسویں دلیل تذئیل کی صورت میں ہے اور خوب ہے۔ آپ نے لکھا ہے:

مفتی مذکور کی سات مستند کتابوں میں سے تین (ذخیرہ عقبیٰ، درمختار، اشعۃ اللمعات) میں تو ضان کی تفسیر میں ''بمالہ الیۃ'' کا کہیں پتا نہیں بلکہ ذخیر عقبیٰ اور اشعۃ اللمعات میں تو آپ کے مدعیٰ کے خلاف ہے جیسا کہ مذکور ہوا لیکن صاحب تعلیق مجد نے تو انہوں نے حق کی تلاش میں تساہل برتا۔ اور کلام علماء میں ذکر وصف کو زیادتی کشف کے بجائے قید احترازی سمجھا اور بھیڑ کو ضان میں شامل نہ ماننے میں وہ بھی اس طرح وہم میں گرفتار ہوئے جیسے آپ نے ''اِلّیہ'' کے لفظ سے دھوکہ کھایا اغلب ہے کہ آپ نے اس معاملہ میں انہیں کی تقلید کی ہو مگر ان سے آگے بڑھ گئے کیونکہ وہ تو صرف یہ کہہ کر رہ گئے چونکہ یہ ضان نہیں اس لئے اس کے ششماہہ بچے کی قربانی جائز نہیں۔ اور آپ نے سرے سے اس کو قربانی کے جانور ہی سے خارج کردیا۔

یہ بات فاضل لکھنوی کے فتویٰ سے ظاہر ہے وہ کہتے ہیں بکری اور بھیڑ ایسے ہی گائے اور اونٹ کا چھ ماہہ بچہ درست نہیں ہے۔ فقط دنبہ چھ ماہا درست ہے۔

اس سے اندازہ یہ ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ سمجھا کہ ''منح الخالق'' کی عبارت میں (جس کا حوالہ انہوں نے دیا ہے) ضان کے بیان میں صوف کا ذکر ہے جس کو ''مالہ الیۃ'' سے مقید کیا ہے۔ تو اس کا مطلب یہی ہے کہ الیۃ کی قید احترازی ہے حالانکہ خود ان کی عبارت اور امام طحطاوی اور شامی کی روایت میں صوف کا ذکر نہیں ہے۔ صرف مالہ الیۃ ہے۔

تو آپ کو بھی ان کی تقلید کرنی تھی تو اتنی ہی بات میں کرتے نہ کے آگے بڑھ کر ایک محال بات کا دعویٰ کردیا اور سب مسلمانوں کو گمراہ اور گمراہ گر کا خطاب دیا۔

مجھ سے لکھنوی صاحب کے ایک شاگرد نے ان کا یہ فتویٰ ذکر کرکے صورت حال دریافت کی تھی میں نے چند جملوں میں اسکا خلاصہ لکھ دیا تھا۔ یہ کلام تو اللہ تعالیٰ کی توفیق سے حافل اور کافل ہے۔ ان دونوں وہموں کو رفع کرنے والا بلکہ اس کا رد شدید ہے جو ان کی قربانی جائز کرتا ہے اور ان کے بچے کی نہیں بلاشبہ بھیڑ کا چھ ماہا بچہ دیکھنے میں سال بھر کا معلوم ہو اسکی قربانی جائز ہے۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وعلیٰ الہ واصحابہ اجمعین۔

قارئین نے ملاحظہ کیا کہ کس طرح اعلیٰ حضرت نے اپنی تحقیقات اور تنقیدات سے مولانا نظام الدین کے غلط استدلال کو آفتاب نیم روز کی طرح واضح فرمادیا اور اصل مسئلہ کی وضاحت دلائل قاہرہ کی روشنی میں فرمادی۔ یقیناً یہ بات حق بجانب ہے کہ جہاں دوسروں کے فہم وادراک کی رسائی ماند پڑ جاتی ہے اور جہاں دوسرے افراد اصل مسئلہ کے افہام وتفہیم سے قاصر رہتے ہیں وہاں اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ اپنی خداداد صلاحیت سے اپنے علم کا جلوہ بکھیرتے ہیں اور حقیقت کے اصل چہرہ سے لوگوں کو روشناس کرادیتے ہیں۔ امام احمد رضا نے اس رسالہ میں تقریبا ۸۵ کتابوں کے حوالہ اور ان سے استفادہ کا تذکرہ فرمایا ہے اس سے ان کی وسعت نظر اور مطالعہ کی ہمہ جہتی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

اعلیٰ حضرت پائندہ باد

* * *

علمائے اہل سنت اور تحریک آزادی

مولانا طارق انور مصباحی (کیرلا)

علمائے اہل سنت آغاز امر سے ہی ہندوستان کو انگریزوں کے جال سے آزاد کرانے کی کوشش میں تھے۔ پہلی جنگ آزادی: ۱۸۵۷ء سے قبل ہی علمائے اہل سنت بیدار ہو چکے تھے، اور نجی کوشش شروع کر چکے تھے۔ انگریزوں نے مسلمانوں سے صرف حکومت ہی نہیں چھینا، بلکہ وہ مسلمانوں کے ایمان کے تباہ و برباد کرنے میں بھی بہت حد تک کامیاب رہے۔ جو ایمان بچا، وہ علمائے اہل سنت کی سعی پیہم کا نتیجہ ہے۔ جس کی تقدیر میں گمرہی تھی، وہ گمراہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں مذہب حق کی نعمت گراں بہا عطا فرمایا، اس پر رب تعالیٰ کی حمد بیکراں۔ حضور اقدس حبیب کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت عطا ہوئی جو نجات کا پروانہ ہوا، اس پر رب تعالیٰ کا شکر عظیم۔

انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ ۱۸۵۷ء:

(۱) عبد الشاہد خاں شروانی (م ۱۳۰۴ھ) نے لکھا۔ ”بادشاہ سراسیمہ تھے۔ شہزادوں کی لوٹ کھسوٹ اور تخت شاہی کی تمناؤں نے باہمی رقابت کا میدان گرم کر رکھا تھا۔ عمائد شہر میں دو گروہ تھے۔ ایک بادشاہ کا ہمنوا، اور دوسرا حکومت کمپنی کا بہی خواہ۔ فوجوں میں طمع اور لالچ نے گھر کر لیا تھا۔ دو ایک جماعتیں مقصد اعلیٰ کو سامنے رکھے ہوئے تھیں۔ ایک جماعت مجاہدین کی تھی، دوسری روہیلوں کی۔ یہ جنرل بخت خاں کی سرداری میں داد شجاعت دے رہی تھی۔ علامہ سے جنرل بخت خاں ملنے پہونچے۔ مشورہ کے بعد علامہ نے آخری تیر ترکش سے نکالا۔ بعد نماز جمعہ جامع مسجد میں علما کے سامنے تقریر کی، استفتا پیش کیا۔ مفتی صدر الدین خاں آزردہ صدر الصدور دہلی، مولوی عبد القادر، قاضی فیض اللہ دہلوی، مولانا فیض احمد بدایونی، ڈاکٹر مولوی وزیر خاں اکبر آبادی، سید مبارک شاہ رامپوری نے دستخط کر دیئے۔ اس فتوے کے شائع ہوتے ہی ملک میں عام شورش بڑھ گئی۔ دہلی میں نوے ہزار سپاہ جمع ہو گئی تھی۔ جنرل بخت خاں کی اسکیموں میں مرزا مغل آڑے آتے تھے۔ مرزا الٰہی بخش نے بادشاہ سے سرکار میں معافی کا خط بھی بھجوا دیا تھا۔ کوئی سنوائی نہ ہوئی۔ مرزا مغل کی وجہ سے فوج میں پھوٹ پڑ گئی“۔

(باغی ہندوستان ص ۲۱۴، ۲۱۵۔ المجمع الاسلامی مبارکپور)

(۲) محمد اسماعیل پانی پتی نے لکھا۔ ”ہنگامہ ۱۸۵۷ء میں پورے جوش کے ساتھ انگریزوں کے خلاف جنگ میں حصہ لینے والے وہ سب کے سب علما شامل تھے، جو عقیدۂ حضرت سید احمد اور حضرت شاہ اسماعیل کے شدید ترین دشمن تھے، اور جنہوں نے شاہ اسماعیل کے رد میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں اور اپنے شاگردوں کو لکھنے کی وصیت کی ہے“۔ (حاشیہ مقالات سر سید حصہ شانزدہم ص ۳۵۲)

(۳) ڈاکٹر مہدی حسین نے لکھا۔ ”اگر جیون لال کے بیان پر اعتماد کیا جا سکتا ہے تو مولوی فضل حق نے شاہی فوج کی کمان بھی کی ہے“۔ (بہادر شاہ حصہ دوم ص ۳۹۱)

(۴) رئیس احمد جعفری نے لکھا۔ ”مذکورہ سطور میں ہم نے غدر کے جن ہیروؤں کا ذکر کیا ہے، ان میں صرف بخت خاں اور مولانا فضل حق خیر آبادی دو ایسی شخصیتیں ہیں، جنہوں نے دہلی کے محاربات غدر میں مرکز نشیں ہو کر حصہ لیا ہے“۔ (بہادر شاہ ظفر اور ان کا عہد ص ۸۳۴)

(۵) جنگ غدر کے وقت بہادر شاہ ظفر نے ایک کنگ کونسل بنائی تھی، علامہ اس کے ایک اہم رکن تھے۔ ڈاکٹر سید معین الحق نے

لکھا۔ ’’سید مبارک شاہ (جو دوران غدر دہلی کا کوتوال رہا تھا) کا بیان ہے کہ شاہ نے جنرل بخت خاں، مولوی سرفراز علی اور مولوی فضل حق پر مشتمل ایک کنگ کونسل تشکیل دی تھی‘‘۔ (The great revolution of 1857 p.182/183)

(۶) جب بخت خاں دہلی آیا تو بہادر شاہ ظفر نے اسے دہلی فوج کا سپہ سالار اور جنرل کا خطاب دیا۔ انگریزوں کا پٹھو مرزا الٰہی بخش بادشاہ کو اس کے خلاف ورغلایا، لیکن غدار مرزا کامیاب نہ ہوسکا۔ اخیر کار بادشاہ سے سفارش کر کے مرزا الٰہی بخش نے بادشاہ کے بیٹے مرزا مغل کو بھی فوج کے اعلیٰ اختیارات دلانے میں کامیاب ہوگیا۔ اب فوج دو قیادت کے درمیان پھنس کر رہ گئی، اور جیتی ہوئی جنگ اب شکست میں بدلنے لگی۔ مرزا مغل مرد میداں نہ تھا کہ فوج کو صحیح ڈھنگ سے لڑا سکے۔ جنرل بخت خاں نے بادشاہ سے گذارش کی کہ آپ لکھنو چلیں، وہاں کی جنگ جیت کر پھر دہلی آئیں گے۔ بادشاہ اس کے لیے راضی نہ ہوا، بلکہ مرزا الٰہی بخش کی دخل اندازی نے بادشاہ کی عقل پر پردہ ڈال دیا۔ جنرل بخت خاں اپنی دس ہزار فوج لے کر رات کو نکل گیا ۔مسلمانوں کو اکثر غداروں کی وجہ سے نقصان اٹھانا پڑا ہے۔ عشرت رحمانی نے لکھا۔ ’’بخت خاں دہلی سے روانہ ہو کر اودھ ہوتا ہوا کسی ایسے مقام پر چلا گیا، جہاں سے اس کا نشان بھی کسی کو پھر نہ ملا۔ گمان غالب ہے کہ دہلی کی بے وقت اور غیر متوقع شکست اور انگریزی کی نامبارک کامرانی نے اس کا دل توڑ دیا اور مغل عظمت کی تباہی دیکھنے کی تاب نہ لا کر اس نے قبائلی آزاد علاقہ کی پہاڑیوں میں منہ چھپا لیا۔ اس کے بعد کسی نے نہ اس کا نام سنا اور نہ نشان پایا‘‘۔ (خیال لاہور۔ سن ستاون نمبر ص ۲۷۰)

(۸) دہلی کی جنگ چار مہینہ تک جاری رہی۔ ۱۱/مئی ۱۸۵۷ء سے ۱۹/ستمبر ۱۸۵۷ء تک ہندوستانی فوجیوں نے انگریزوں کا مقابلہ کیا۔ ۱۹/ستمبر کو انگریزی فوج دہلی میں داخل ہوئی۔ بہادر شاہ کی گرفتاری ہوئی۔ ہندوستان میں اسلامی سلطنت کا نام ونشان مٹ گیا۔ علامہ فضل حق خیر آبادی ۲۴/ستمبر ۱۸۵۷ء کو رات کے وقت چھپ کر دہلی سے نکل گئے۔ عبد الشاہد خاں شروانی نے لکھا۔ ’’علامہ دہلی سے ۲۴/ستمبر کو روانہ ہو گئے۔ اس طرح ۱۷۵۷ء کی جنگ پلاسی اور ۱۷۹۹ء کی جنگ میسور کی طرح ۱۸۵۷ء کی یہ جنگ آزادی بھی ہندوستانیوں کی شکست اور انگریزوں کی فتح پر ختم ہوئی‘‘۔ (باغی ہندوستان ص ۲۱۶)

(۹) فتح دہلی اور سقوط سلطنت مغلیہ کے بعد مسلمانوں پر دہلی اور اطراف واکناف میں ظلم وبربریت کا وہ دردناک سلسلہ شروع کیا گیا، جس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ بے شمار مسلمانوں کو قتل کیا گیا، پھانسی پر لٹکایا گیا۔ جب یہ سلسلہ تھما تو جنگ غدر میں شریک ہونے والے علما کے خلاف کاروائی کی گئی، مقدمہ ہوا۔ علامہ فضل حق خیر آبادی، مفتی عنایت احمد کاکوروی، وغیرہم علمائے اہل سنت کالا پانی کی سزا پائے۔ علمائے اسلام نے جزیرہ انڈمان کو دبستان علم وادب بنا ڈالا۔ مفتی عنایت احمد نے ’’علم الصیغہ‘‘ اور ’’تواریخ حبیب الٰہ‘‘ اسی جزیرہ میں تصنیف فرمائی۔ علامہ خیر آبادی نے ’’الثورۃ الہندیہ‘‘ اور ’’قصیدہ دالیہ وقصیدہ ہمزیہ‘‘ جزیرہ انڈمان ہی میں تحریر فرمائے۔ ڈاکٹر مسعود احمد پاکستانی نے لکھا کہ علامہ فضل حق خیر آبادی کو ۱۴/مارچ ۱۸۵۹ء کو لکھنو کورٹ سے حبس دوام بعبور دریائے شور اور تمام جائیداد کی ضبطی کا حکم سنایا گیا۔ بحری جہاز پر سوار ہو کر ۸/اکتوبر ۱۸۵۹ء کو پورٹ بلیر پہونچے۔ نو ماہ انیس دن سیاسی قیدی رہ کر ۱۲/صفر المظفر ۱۲۷۸ھ، ۲۰/اگست ۱۸۶۱ء کو واصل الی اللہ ہوئے۔ (جنگ آزادی میں علامہ فضل حق خیر آبادی کا کردار ص ۱۰، ۱۱۔ نوری مشن مالیگاؤں مہاراشٹر)

(۱۰) عبد الشاہد خاں شروانی نے لکھا۔ ’’جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں مولانا فضل حق نے حصہ لیا۔ دہلی میں جنرل بخت خاں کے شریک رہے۔ لکھنو میں بیگم حضرت محل کی کورٹ کے ممبر رہے۔ آخر میں گرفتار ہوئے۔ مقدمہ چلا اور حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا ہوئی .... انڈمان ونکوبار کے زمانہ قیام میں علامہ خیر آبادی سے دو چیزیں یادگار ہیں۔ الثورۃ الہندیہ اور قصائد فتنۃ الہند۔ یہ دونوں چیزیں تاریخی ہونے کے علاوہ ادب کا بھی شاہکار ہیں .... یہ رسالہ اور قصیدے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے حالات کے نہایت قابل قدر آخذ ہیں‘‘۔ (باغی ہندوستان ص ۲۷۵)

(۱۱) حسین احمد ٹانڈوی سابق شیخ الحدیث دیوبند نے

لکھا۔ ”مولانا فضل حق صاحب خیر آبادی کو جو کہ تحریک کے بہت بڑے رکن تھے اور بریلی، علی گڑھ اور اس کے ملحقہ اضلاع کے دوران تحریک میں گورنر تھے۔ آخر ان کو گھر سے گرفتار کیا گیا۔ جس مخبر نے ان کو گرفتار کرایا تھا، اس نے انکار کر دیا کہ مجھے معلوم نہیں۔ فتویٰ جہاد پر جس نے دستخط کئے ہیں، وہ یہ فضل حق ہیں یا کوئی اور ہیں؟ .... مولانا نے فرمایا۔ ”مخبر نے پہلے جو رپورٹ لکھوائی تھی، وہ بالکل صحیح تھی کہ فتویٰ میرا ہے۔ اب میری شکل وصورت سے مرعوب ہو کر یہ جھوٹ بول رہا ہے“۔ قربان جائیے علامہ کی شان استقلال پر - خدا شیر گرج کر کہہ رہا ہے کہ میرا اب بھی یہی فیصلہ ہے کہ انگریز غاصب ہے، اور اس کے خلاف جہاد لڑنا فرض ہے۔ خدا کے بندے ایسے ہی ہوا کرتے ہیں، وہ جان کی پرواہ کیے بغیر سربکف ہو کر میدان میں اترتے ہیں اور لومڑی کی طرح ہیر پھیر کر کے جان نہیں بچاتے، بلکہ شیروں کی طرح جان دینے کو فخر سمجھتے ہیں“۔ (تحریک ریشمی رومال ص ۶۴)

(۱۲) حسین احمد ٹانڈوی نے لکھا۔ ”مولانا نے اپنے اوپر جتنے الزام لئے تھے، ایک ایک کر کے سب رد کر دیئے۔ جس مخبر نے فتویٰ کی خبر دی تھی، اس کے بیان کی تصدیق وتوثیق کی۔ فرمایا۔ ”پہلے اس گواہ نے سچ کہا تھا اور رپورٹ بالکل صحیح لکھوائی تھی۔ اب عدالت میں میری صورت دیکھ کر مرعوب ہو گیا اور جھوٹ بولا۔ وہ فتویٰ صحیح ہے۔ میرا لکھا ہوا ہے، اور آج اس وقت بھی میری رائے وہی ہے........... جج بار بار علامہ کو روکتا تھا کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ مخبر نے عدالت کا رخ اور علامہ کی بارعب و پروقار شکل دیکھ کر شناخت کرنے سے گریز کرتے ہوئے کہہ ہی دیا تھا۔ یہ وہ مولانا فضل حق نہیں، دوسرے تھے۔ گواہ حسن صورت اور پاکیزگی سیرت سے بے انتہا متأثر ہو چکا تھا، مگر علامہ کی شان استقلال کے قربان جائیے، خدا کا شیر گرج کر کہتا ہے۔ ”وہ فتویٰ صحیح ہے، میرا لکھا ہوا ہے، اور آج اس وقت بھی میری رائے وہی ہے“۔ (نقش حیات ص ۴۶۲)

(۱۳) عبدالشاہد خاں شروانی نے لکھا۔ ”علامہ کو ۳۰/جنوری ۱۸۵۹ء کو گرفتار کیا گیا اور لکھنو میں مقدمہ چلایا گیا۔ گرفتاری سے تین ہفتے کے اندر کیپٹن ایف اے وی تھربرن کی عدالت میں ۲۱/فروری ۱۸۵۹ء کو مقدمہ شروع ہوا۔ استغاثہ اور صفائی کے پانچ گواہوں کے بیانات کے بعد ۲۸/فروری ۱۸۵۹ء کپتان تھربرن نے فرد جرم مرتب کر کے مقدمہ جوڈیشیل کمشنر اودھ کی عدالت میں منتقل کر دیا۔ جوڈیشیل کمشنر مسٹر جارج کیمبل اور میجر بارو قائم مقام کمشنر خیر آباد ڈویزن کی مشترکہ عدالت سے ۴/مارچ ۱۸۵۹ء کو قتل پر برانگیخت اور بغاوت کے الزام میں بطور شاہی قیدی حین حیات حبس بعبور دریائے شور اور تمام جائیداد کی ضبطی کی سزا سنا دی گئی“۔ (باغی ہندوستان ص ۲۴۸)

علمائے اہل سنت و جماعت:

علمائے اہل سنت نے ۱۸۵۷ء کی اولین جنگ آزادی میں کلیدی کردار ادا کیا۔ علما نے دیکھا کہ بہت سے ہندوؤں نے علی الاعلان انگریزوں کی حمایت کی۔ مسلمانوں میں بھی بہت سے غدار اور نصاریٰ کے جاسوس نکلے۔ اسی غداری اور ہندوؤں کے درپردہ انگریزوں کے تعاون کے سبب مجاہدین غدر کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اس لیے علمائے اہل سنت بہت محتاط قدم اٹھاتے۔ دوسری جانب انگریزوں نے قوم مسلم میں مذہبی فتنوں کو پروان چڑھا رکھا تھا۔ علما کی اکثری توجہ ان فتنوں کے تدارک کی جانب تھی۔ امام اہل سنت اور ان کے تلامذہ وخلفا سیاسی امور کی جانب بھی متوجہ ہوئے اور مسلمانوں کو بنام پاکستان ایک مملکت دلانے میں کامیاب ہوئے۔ پاکستان کے لیے بڑا حصہ مقرر ہوا تھا، لیکن ہندوؤں کی دخل اندازی سے ماؤنٹ بیٹین وائسرائے ہند نے بعض حصے واپس ہندوستان کو دیدیا۔ آزادی ملتے ہی ہندوؤں نے جابجا مسلمانوں پر ظلم وبربریت کا شرمناک سلسلہ شروع کر دیا۔ آزادی کی خوشی مسلمانوں کے خون سے منائی گئی۔ ہم نے اپنی زندگی میں بھاگلپور فساد، شہادت بابری مسجد، ممبئ فساد اور گجرات فساد دیکھا۔ آزادی کا معنیٰ ”ہندوراشٹر“ قرار پایا۔ ہندوؤں کو سوراج نہیں، بلکہ ہندوراج کی تلاش تھی۔ اسی لیے ابتدائی مراحل میں کانگریس خالص ہندوؤں کی تحریک تھی۔ بعد آزادی بھی مسلمان کانگریس سے منسلک رہے۔ کانگریس نے دوست نما دشمن کا کردار ادا کیا۔ مسلم لیگ کے مماثل ایک سیاسی تحریک کی ضرورت ہے۔ لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا۔

* * *

یوپی کے مدارس اور قومی ترانہ کا مسئلہ

حکومت اترپردیش کی جانب سے یوم آزادی کے موقع پر مدارس اسلامیہ کو جاری کئے گئے تانا شاہی فرمان پر جماعت رضائے مصطفےٰ کے موقف کو ملک بھر میں سراہا گیا۔ سوشل میڈیا پر تحسین وآفرین کی باڑھ آگئی اور مسلمانان عالم نے اسے ایک جرأت مندانہ قدم قرار دیا تاہم کچھ آزاد فکر لوگوں نے اس پر چہ می گوئیاں بھی کیں۔ ذیل میں عالم اسلام کے ردعمل کی کچھ جھلکیاں پیش کی جاتی ہیں۔

ادارہ

موضوع سے متعلق استفتاء اور اس کا جواب

مفتی ذوالفقار خان نعیمی ککرالوی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین درج ذیل مسئلہ میں حکومت اترپردیش کی طرف سے مدارس اسلامیہ میں قومی ترانہ ''جن گن من ادھی نایک جے'' ہے کو ہی پڑھنے کا فرمان جاری کیا گیا ہے۔ لیکن مرکز اہل سنت بریلی شریف سے قاضی شہر حضرت علامہ عسجد میاں صاحب قبلہ نے اخبارات کو دئے گئے اپنے بیان میں صاف طور پر اس کو خلاف شرع بتایا ہے اور مسلمانوں کو اسے نہ پڑھنے اور اس کی جگہ

''سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا''

پڑھنے کی تاکید کی ہے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا حضور عسجد میاں کا یہ بیان لائق عمل ہے؟ کیا ہمیں جن گن من ترانہ نہیں پڑھنا چاہئے؟ برائے کرم جواب مرحمت فرمائیں۔

محمد وصی خاں ازہری محلہ کٹوراتال کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھّاب:

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

مرکز اہل سنت بریلی شریف سے حضور عسجد میاں صاحب قبلہ کا بیان یقیناً لائق عمل ہے۔

ہندوستان ایک جمہوری ملک ہے یہاں ہر مذہب کے ماننے والے رہتے ہیں اور انہیں ان کے مذہب کے مطابق زندگی گزارنے کا مکمل حق حاصل ہے۔

ان کے مذہبی امور میں دخل اندازی کی قانونی طور پر قطعاً اجازت نہیں ہے۔ ہمارے علمائے اہل سنت کے نزدیک جن گن من ترانہ پڑھنے کی اجازت نہیں ہے۔

اس میں شرعاً کئی خامیاں ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں:

(۱) یہ ترانہ رویندر ناتھ ٹائیگور کا جارج پنجم کی تعریف میں لکھا گیا ہے۔ اور جارج پنجم ایک انگریز کافر اور ظالم حاکم تھا۔

اور اسلام میں کسی کافر کی تعریف درکنار کسی فاسق وظالم خواہ مسلمان ہی ہو اس کی تعریف بھی ناجائز وحرام بلکہ بعض علماء کے نزدیک کفر تک قرار دی گئی ہے۔

حدیث پاک میں ہے:

إذا مدح الفاسق غضب الرب تعالى، واهتزله العرش

جب کسی فاسق کی تعریف کی جاتی ہے تو اللہ عزوجل غضب فرماتا ہے اور اس کی وجہ سے عرش الٰہی کانپ جاتا ہے۔

[شعب الایمان للبیہقی ج ۴ ص ۲۳۱، باب فی حفظ اللسان]

حدیث مذکور کی تشریح میں ملا علی قاری رحمہ اللہ الباری رقم طراز ہیں:

"وقال الطيبي: اهتزاز العرش عبارة عن وقوع أمر عظيم وداهية دهياء؛ لأن فيه رضا بما فيه سخط الله وغضبه، بل يقرب أن يكون كفرا ..... وإذا كان هذا حكم من مدح الفاسق، فكيف بمن مدح الظالم"

طیبی نے کہا عرش کا ہلنا کنایہ ہے بڑے واقعہ اور سخت مصیبت سے اس لئے کہ اس میں ایسی چیز سے راضی ہونا ہے جس میں اللہ کی ناراضگی اور اس کا غضب ہے بلکہ قریب ہے کہ وہ کفر ہو۔۔۔۔ اور جب فاسق کی تعریف کرنے والے کا یہ حکم ہے تو پھر ظالم کی تعریف کرنے والے کا حکم کیسا ہوگا؟۔

[مرقاۃ المفاتیح، کتاب الآداب، باب حفظ اللسان، ۹/ ۸۹]

شیخ محقق علی الاطلاق حضرت عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ القوی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

"چوں مدح کردہ میشود در خشم می آید برور دکار تعالیٰ واہتزلہ العرش ومی جنبد ومی لرزد از جہت مدح فاسق عرش واہتزاز عرش یا محمول بر ظاہر است یا کنایت است از وقوع امر عظیم زیرا کہ مدح فاسق راضی شدن است بچیزی کہ در وی ناخوشنودی وبے رضائے حق است تعالیٰ بلکہ نزدیک است کہ موجب کفر باشد"

'جب فاسق کی تعریف کی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے اور اس کا عرش کانپ جاتا ہے فاسق کی تعریف سے عرش کا ہلنا یا تو ظاہر پر محمول ہے یا یہ کسی بڑی بات کے واقع ہونے سے کنایہ ہے اس لئے کہ فاسق کی تعریف پر راضی ہونا ایسی چیز ہے جس میں اللہ پاک کی عدم رضا اور ناراضگی ہے بکہ قریب ہے کہ یہ موجب کفر ہو۔

[اشعۃ اللمعات فارسی، باب حفظ اللسان والغیبت ج ۴ ص ۴۴]

ملا علی قاری اور شیخ محقق کے نزدیک فاسق کی تعریف قریب الکفر ہے تو بھلا کافر کی تعظیم کیوں کر کفر نہ ہوگی۔

حضور اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

"کفار ومشرکین کی ایسی تعظیمیں کفر ہیں، ان کی جے پکارنا، ان کے مرنے یا جیل جانے پر ہڑتال اور اس پر وہ اصرار، اور جو مسلمان نہ مانے اس پر وہ ظلم واضرار کمال تعظیم کفار اور باعث دخول نار وغضبِ جبار، وحسب تصریحاتِ ائمہ موجب کفر واکفار، فتاوٰی ظہیریہ واشباہ والنظائر وتنویر الابصار ودر مختار میں ہے:

لوسلم على الذمي تبجيلا يكفر لان تبجيل الكافر كفر" (اگر کسی نے ذمی کو احتراماً سلام کہہ دیا تو یہ کفر ہے کیونکہ کافر کی تعظیم کفر ہوتی ہے)

فتاوی امام ظہیر الدین ومختصر علامہ زین مصری وشرح تنویر مدقق علائی میں ہے: لو قال لمجوسي يا استاذ تبجيلا كفر (اگر کسی نے مجوسی کو تعظیماً "یا استاذ" کہا تو اس سے وہ کافر ہوجائے گا)"

[فتاوی رضویہ قدیم ۶/ ۱۰]

(۲) رویندر ناتھ نے یہ ترانہ جارج پنجم کے لئے نہیں بلکہ اپنے معبودوں کے لئے لکھا تھا۔ تب بھی مسلمانوں کو اس کا پڑھنا حرام ہوگا کیوں کہ مسلمان صرف ایک خدا پر ایمان رکھتا ہے اور وہ بس اللہ کی ذات ہے۔ کسی اور مذہب کے معبود کی تعریف وتعظیم اسے دائرہ اسلام سے خارج کر دے گی۔

حضور اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

"کفار کے مذہبی جذبات اور ان کے دیوتاؤں اور پیشواؤں کو عزت دینا صریح کلمہ کفر ہے"

[فتاوی رضویہ قدیم ۶/ ۱۲۵، ۱۲۶]

(۳) اگر کہا جائے کہ یہ ترانہ اللہ پاک ہی کے لئے لکھا گیا ہے۔ تب بھی اسے پڑھنے کی اجازت نہیں ہوگی کیوں کہ اس میں کئی ایسے جملے ہیں جو اللہ کی شان کے خلاف ہیں۔ خاص کر لفظ جے، کہ اس کا استعمال اغیار اپنے معبودوں کے لئے کرتے ہیں۔ یہ لفظ ان کا مذہبی شعار بن چکا ہے۔ اور جو لفظ کسی دوسرے

مذہب کا شعار بن جائے اس کا استعمال معبود برحق کے لئے تو الگ بات کسی مسلمان کے لئے بھی جائز نہیں ہوگا۔

حضور اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

”جے جو کافر بولتے ہیں جیسے گاندھی وغیرہ کی یا عام ہنود کی، یہ بحکم فقہائے کرام کفر ہے، درمختار وغیرہ میں ہے: تبجیل الکافر کفر (کافر کی تعظیم کفر ہے۔ یونہی جو نام کا مسلمان حد کفر تک پہنچ گیا ہو اس کی جے کا بھی یہی حکم ہے، اور مسلمان کی جے بولنا بھی منع ہے کہ کفار سے مشابہت ہے۔“ [فتاوی رضویہ جدید، ۱۵/ ۲۶۸]

مزید فرماتے ہیں:

”جے بولنا طریقہ کفار ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: من تشبہ بقوم فھو منھم۔ جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کر لی وہ انہیں میں سے ہے۔ پھر اگر معبودان کفار کی جے ہے تو کفر ہے اور اگر کافروں کی ہے تو فقہائے کرام اسے بھی کفر فرماتے ہیں“

[فتاوی رضویہ جدید، ۱۴/ ۶۷۵]

اور فرماتے ہیں: ”حرام حرام سخت حرام، جے بولنا ہنود کا شعار ہے اور ہندو لیڈر کی جے پکارنا بحکم فقہائے کرام خود کفر ہے۔“

[فتاوی رضویہ جدید، ۱۴/ ۶۸۰]

شارح بخاری فرماتے ہیں:

یہ دونوں لفظ بولنا ہندوؤں کا شعار ہے۔ یہ لفظ جب کوئی بولتا ہے تو اس سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ بولنے والا ہندو ہے۔ اس لئے مسلمانوں کو جائز نہیں کہ اس قسم کے الفاظ استعمال کریں۔“

[فتاوی شارح بخاری، جلد ۲/ ۴۶۳]

الحاصل: ہندوستانی مسلمانوں پر غیر شرعی ترانہ کی پابندی مذہب میں بے جا مداخلت ہے جس کی اجازت کسی بھی صورت میں نہیں دی جاسکتی۔

بریلی شریف سے اس تعلق سے جو قدم اٹھایا گیا ہے مسلمانوں کو چاہئے کہ کھل کر تائید کریں ورنہ وہ دن دور نہیں کہ مدارس اسلامیہ میں غیر مذہبی کفریہ رسمیں اور پوجا پاٹ وغیرہ کی بھی پابندی لازمی قرار دے دی جائے۔ مدارس اسلامیہ کے ذمہ دار حضرات اور دانشوران قوم بریلی شریف کی اس آواز سے آواز ملا کر اپنی مذہبی آزادی پر قدغن لگانے والوں کے بڑھتے ہوئے قدم روکنے کی کوشش کریں اور مذہبی امور میں کسی طرح کی بھی مداخلت نہ برداشت کرنے کا پیغام عام کریں۔

علاوہ ازیں یوم آزادی کو مسلمان تزک و احتشام کے ساتھ منائیں۔ اپنا قومی سہ رنگی جھنڈا لہرائیں۔ مٹھائیاں تقسیم کریں۔ جائز قومی ترانے پڑھیں۔ شرعی حدود میں رہتے ہوئے اپنے وطن کی محبت کا اظہار کریں۔ جنگ آزادی میں قربان ہونے والوں کو یاد کریں۔ مسلم شہیدوں کو ایصال ثواب کریں۔ علامہ فضل حق خیرآبادی، علامہ کفایت اللہ کافی مرادآبادی، اور دیگر علمائے اہل سنت کی انگریزوں کے خلاف وطن کی خاطر دی گئی قربانیوں کو اجاگر کریں۔ اور اللہ پاک کی بارگاہ میں دہشت گرد اور وطن دشمن طاقتوں کے شر سے وطن اور اہل وطن کی حفاظت کی دعا کریں۔ امن و آشتی اور پیار محبت کا پیغام عام کریں۔

ھٰذا ما عندی والعلم اتم عند اللہ تعالیٰ

کتبہٗ
محمد ذوالفقار خان نعیمی
خادم نوری دارالافتاء مدینہ مسجد محلہ علی خاں کاشی پور
مورخہ ۲۱/ ذوالقعدہ ۱۴۳۸ھ

جماعت رضائے مصطفٰے کا تاریخ ساز قدم

ڈاکٹر محمد امجد رضا امجدؔ

ملک کی فضا ابھی زہر آلود ہے، ملک کی آزادی میں انگریزوں کا ساتھ دینے والی تنظیم ابھی اقتدار میں ہے اور وہ اپنے مسلم مخالف ایجنڈے پہ کام کرنے کے لئے ہر وہ حربے استعمال کر رہی ہے جس سے ہندو مسلم کا ماحول گرم رہے۔ مدارس میں جن من گن گانے اور اس کی ویڈیو بنانے کا معاملہ بھی اسی سے جڑا ہوا ہے، اور وقت کا تقاضا ہے کہ اسے اسی تناظر میں دیکھا جانا چاہئے۔

مرکز اہل سنت بریلی شریف کی سرگرم ملکی تنظیم ”جماعت رضائے مصطفٰے“ نے کل بھی ابتلا و آزمائش کے دور میں مسلمانان ہند کی رہنمائی کی تھی آج بھی وہ بڑے جذبہ و حوصلہ کے ساتھ سرگرم عمل ہے۔ غیر منقسم ہندوستان میں شدھی تحریک کے خلاف مردانہ وار اس کا مقابلہ کیا تھا اور لاکھوں مسلمانوں کا ایمان و عقیدہ بچایا تھا۔ آج پھر ملک پر ایسے ہی حالات ہیں کہیں مرعوبیت کے، کہیں لالچ اور کہیں سازش کے ذریعہ مسلمانوں کا ایمان لوٹنے کا کاروبار پھیلایا جا رہا ہے، لوٹ مار قتل اور دنگا کا ایک سیاہ ماحول ہے جس میں

مسلمان پھنسے ہیں، کوئی سہارا دینے والا نہیں، دستگیری کرنے والا نہیں، راہ دکھانے والا نہیں، ڈر ہے اپنی جان کا، مال کا، نوکری کا تنخواہ کا، مگر کیا ایمان، جان مال نوکری سے کم اہمیت کا حامل ہے؟ نہیں اور ہرگز نہیں، ہمارے ایمان کا تقاضا ہے کہ ان چیزوں کو قربان کرکے ایمان بچایا جائے، اور اہل ایمان ایسا ہی کریں گے۔

جو بڑا ہوتا ہے اس کی بڑی ہوتی ہے، حوصلہ بڑا ہوتا ہے، عزائم بڑے ہوتے ہیں، جماعت رضائے مصطفےٰ کے صدر، شہزادہ تاج الشریعہ مولانا شاہ عسجد رضا خان نے ایسے وقت میں بڑا اجرأت مندانہ بیان دیا ہے، جب حوصلے ٹوٹ کر بکھر رہے تھے، حالات کی ستم ظریفی سے سوچنے کی صلاحیتیں دم توڑ رہی تھیں اور "گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل" کا سحر مسلمانوں کے اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے تھا، حضور عسجد میاں نے ان کے اندر سوچنے سمجھنے ہی نہیں عمل کرنے کی ہمت پیدا کی ہے۔ ان کا فیصلہ اور اعلان کہ "مسلمان شان سے جھنڈے لہرائیں، سارے جہاں سے اچھا ترانہ بھی گائیں، یوں آزادی کا جشن جوش وخروش سے منائیں، مگر جن من گن ہمارے اعتقاد سے متصادم ہے، ملک ومذہب دونوں کے آئین کے دائرہ میں ہے، آزادی کا جشن ہندوؤں کی جاگیر نہیں ہمارا بھی حق ہے اور یہ حق ہمیں بھیک میں نہیں قربانی دے کر ملا ہے، اس لئے ہم جماعت رضائے مصطفےٰ کے اعلان کا خیر مقدم کرتے ہیں اور اس کی تائید کرتے ہیں۔

ع   آفریں باد بریں ہمت مردانہ تو

آج جو لوگ جن من گن کے لفظی ترجمہ میں الجھے ہیں انہیں سمجھنا چاہئے کہ یہاں بات لفظوں کے ذریعہ اس کے جواز عدم جواز کے بحث کی نہیں بلکہ اس نظریہ کی تردید اور اور اقدام کی آئینی مخالفت کی ہے، جو یوگی حکومت مسلمانوں پر تھوپنا چاہتی ہے، لفظوں کی آڑ میں اپنی نوکری اور اپنی تنخواہ بچانے والے افراد یہ کیوں نہیں سوچتے کہ جن من گن کی قبولیت کا یہ عمل انہیں وندے ماترم کے دلدل میں کھینچ لے گا، گائے کی قربانی کے مسئلہ میں خوشنودی ہنود کے لئے "گائے کی قربانی ترک کردینے کا فتویٰ" دینے والے علما کے مقابلہ میں اعلیٰ حضرت کا اسے ہندوستان میں واجب قرار دینا آخر کس مصلحت کے تحت تھا؟ کیا یہ وہی مدبرانہ فتویٰ وفیصلہ نہیں تھا جس کی توقع کسی فقیہ ہی سے ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ اس فتویٰ کو دیکھ کر مولانا ارشاد علیہ الرحمہ نے "الناقد بصیر" فرمایا تھا۔

ہمیشہ توجہ مآل وانجام پر ہونی چاہئے اور مرکز اہل سنت بریلی شریف کا فیصلہ واعلان اسی تناظر میں ہے۔ بلکہ یہ صرف اعلان ہی نہیں، ہندوستان میں مذہبی اقدار کے ساتھ جینے کا فیصلہ ہے جس کا ہر طرف خیر مقدم کیا جارہا ہے اور خیر مقدمی کا یہ عمل ہماری زندگی کی علامت ہے۔

جن من گن کو حمد الٰہی سمجھنے والوں کی خدمت میں

ڈاکٹر امجد رضا امجدؔ
چیف ایڈیٹر الرضا انٹرنیشنل پٹنہ

احساس کمتری میں انسان کفر کو اسلام، غلط کو صحیح اور ظلم کو انصاف کا نام دینے کے حیلے تلاش کرتا ہے آج ہم اسی نازک دور سے گزر رہے ہیں۔ حدیث پاک میں برائی کو روکنے کے تین درجے بیان کئے گئے ہیں جس کا آخری درجہ برائی کو دل سے برا جاننا ہے اور اس آخری درجہ کو ایمانی کمزوری کی علامت بھی بتایا گیا ہے، مگر افسوس ہے کہ اپنے ارد گرد برائیوں کے انبار اور شعائر دینی کی پامالی دیکھنے کے باوجود ہم نے اسی آخری درجہ پہ قناعت کو ایمان کا اعلیٰ مقام سمجھ لیا ہے، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر برائی میں اچھائی کے پہلو تلاش کرنے میں جٹ گئے ہیں۔

یوگی حکومت نے مدارس اسلامیہ میں ۱۵ر اگست کے دن جن من گن کو لازمی قرار دیتے ہوئے اس کی ویڈیوگرافی کی بھی شرط لگادی، یوپی کے مدارس کے لئے یہ ایک نازک مسئلہ ہے اور اسے اس طرح حل کرنے کا ہے کہ شریعت پہ آنچ نہیں آنے کے ساتھ مسلمانوں کا وقار بھی داؤ پر نہ لگے، ہم آئین ہند سے نہ ٹکرائیں یہ بات تو ضروری ہے مگر حکومت اگر آئین کے خلاف مسلمانوں سے ٹکرائے تو اس کی مخالفت تو ہونی ہی چاہئے۔ یہ مخالفت جہاں مذہبی تحفظ کے حق میں ہے وہیں آئین ہند کے تحفظ کے حق میں بھی۔

جماعت رضائے مصطفےٰ کے صدر شہزادہ حضور تاج الشریعہ حضرت مولانا عسجد رضا خان صاحب نے ایسے سراسیمگی کے عالم میں ہندوستانی مسلمانوں کے نام اپنا ایک بیان جاری کیا۔ ان کا یہ بیان آئین کے دائرہ میں ہے اور یوگی حکومت کی مخالفت میں۔ یہ ایک سیدھی سی بات جسے سمجھانے کی ضرورت نہیں، یہ موقع مرکز کی آواز میں آواز ملا کر بات کو اور بھی

موثر بنانے کا ہے تاکہ حکومت کو احساس ہو کہ الکشن کے موقع سے ٹکڑوں میں بٹ جانے والا مسلمان اس مسئلہ میں متحد ہے، اور اگر ہم نے ان کی بات نہیں مانی تو نتیجہ کچھ بھی ہو سکتا ہے، مگر افسوس اس سمت کوشش تیز کرنے کے بجائے سوشل میڈیا پہ ایسا فتویٰ گشت کرادیا گیا جس میں جن من گن کے لفظی معنیٰ پہ بحث کرتے ہوئے اسے جائز ہی نہیں بلکہ ”حمد باری“ قرار دیا اور یہ لکھا گیا کہ ”شاعر نے اس نظم کو خالق حقیقی اور مالک ازلی کے لئے لکھا ہے“ اب ظاہر ہے جب یہ حمد باری تعالیٰ ہے اور شاعر نے خالق حقیقی کی تعریف کی ہے تو اس کے پڑھنے میں کوئی حرج کیوں ہونے لگی؟

یہاں محققین کے درمیان بحث چھڑی ہے کہ یہ نظم ٹیگور نے ہندوستان پہ قابض حکمراں ”جارج پنجم“ کی تاج پوشی کے وقت اس کی شان میں لکھی ہے یا دیوی دیوتا کی شان میں۔ قرائن بتاتے ہیں کہ یہ جارج پنجم کی تاج پوشی کے وقت اس کی شان میں کہی اور اسی بنیاد پر اسے نوبل انعام کا مستحق قرار دیا گیا۔ مگر جب انگریزوں کی چاپلوسی کا الزام لگا تو اس نے ایک خط لکھ کر واضح کیا کہ میں نے اس نظم کو دیوی دیوتا کی شان میں لکھا ہے، جب شاعر اس نظم کو ”دیوی اور دیوتا“ سے جوڑ رہا ہے تو اسے ”حمد خدا“ سمجھنا کیسے مناسب ہوگا؟ پھر یہ سوال بھی اپنی جگہ ہے کہ کیا 24 جنوری 1950 کو بھارت کی قانون ساز کمیٹی نے اسے ”بھارت کا قومی ترانہ“ حمد الٰہی سمجھ کر نافذ کیا تھا؟ اور اگر یہ حمد ہی ہے تو کیا اب اسے محافل میلاد، اجلاس، مساجد و مدارس کے مذہبی پروگرام میں گانا جائز ہوگا؟

میں پھر اپنی بات دہراؤں کہ یہ بڑا نازک دور ہے اور مسلمانوں پر مرعوبیت کا غلبہ ہے، ہمیں انہیں اس احساس مرعوبیت سے نکالنا ہے اور اس کے لئے اپنے ایمانی جوہر کا مظاہرہ کرنا ہوگا۔

سر جھکا لینے سے جھکتا نہیں قاتل ہرگز
سینہ، لازم ہے کہ کہسار کے جیسا رکھئے

* * *

خدارا صلح حدیبیہ کی آڑ میں قوم کو بزدلی نہ سکھائیں

مولانا غلام مصطفیٰ نعیمی (ایڈیٹر سواد اعظم دہلی)

3، اگست 2017 کو یوپی کی یوگی حکومت نے مدارس اسلامیہ کے لیے ایک حکومتی سرکولر جاری کرتے ہوئے کہا:

> ”یوم آزادی کے موقع پر سبھی مدارس پرچم کشائی کریں
> اور ساتھ ہی قومی ترانہ ”جن گن من“ بھی لازمی گائیں
> اور بطور ثبوت اس پورے عمل کی ویڈیوگرافی بھی کرائیں
> اور متعلقہ مائنارٹی آفیسر کے یہاں جمع کرائیں۔“

اس تاناشاہی فرمان میں تین باتیں زیادہ اہم تھیں جو اس طرح ہیں:

1۔ یہ آرڈر صرف مدارس اسلامیہ کے لیے جاری کیا گیا دیگر تعلیمی ادارے اس سے مستثنیٰ رہے....

2۔ قومی ترانہ گانا لازمی قرار دیا گیا جو آج سے پہلے کسی حکومت نے نہیں کیا...

3۔ بطور ثبوت ویڈیوگرافی کا حکم دے کر اہل مدارس کو ذلیل کرنے کی کوشش کی گئی...

اس تاناشاہی فرمان کے جاری ہوتے ہی صوبہ اور پھر پورے ملک میں چہ می گوئیوں اور کانا پھوسی کا دور شروع ہوگیا، ہر طرف ایک عجیب سی بےچینی پھیل گئی لیکن کوئی بھی حکومت کے خلاف ایک لفظ بولنے کے لیے تیار نہ ہوا.. بالآخر مرکز اہل سنت بریلی شریف سے نبیرہ اعلیٰ حضرت، قائد اہل سنت علامہ عسجد رضا قادری نے شیرانہ للکار کے ساتھ حکومت کے اس توہین آمیز حکم کے خلاف بیان جاری کیا اور بانگ دہل کہا:

مسلمان آزادی مناتے ہیں اور مناتے رہیں گے، اس لیے مسلمان جوش وخروش سے پرچم کشائی کریں، خوشیاں منائیں، مٹھائی تقسیم کریں‘ مجاہدین آزادی کا تذکرہ کریں لیکن قومی ترانہ ”جن گن من“ نہ گائیں بلکہ اس کی جگہ ڈاکٹر اقبال کا ترانہ ”سارے جہاں سے اچھا ہندوستان ہمارا“ گائیں... جن من گن شرعی اعتبار سے قابل اعتراض ہے اور ملکی اعتبار سے بھی غلط ہے۔“

حضرت عسجد میاں کے اس دلیرانہ بیان کا پورے ملک کے سبھی حساس اور غیور افراد نے استقبال کیا... ہاں بعض وہابیوں نے اس سے اختلاف کیا جو قابل اعتنا نہیں ہے... لیکن افسوس تب ہوا جب شیرانی راجستھان سے تعلق رکھنے والے مولانا خالد ایوب مصباحی صاحب نے عسجد میاں کے اعلان حق سے اختلاف کرتے ہوئے یہ اعتراض قائم کئے جو مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ عسجد میاں کا بیان شرعی نقطہ نظر سے اطمینان بخش اور مدلل

نہیں ہے...

2۔ سیاسی وسماجی طور پر ملت کے حق کسی طرح سود مند نہیں ہے....

3۔ دیوبند نے اس کا فائدہ اٹھایا اور حکومت سے اتفاق کیا...

4۔ اگر یہ گیت جائز نہیں تھا تو 70 سال کے طویل عرصہ سے علما حق نے اس کے کیسے چپی کیوں سادھ رکھی تھی وندے ماترم کی طرح اس کے خلاف ایکشن کیوں نہیں لیا گیا؟

5۔ اس وقت کے حالات کا تقاضا صلح حدیبیہ پر نظر رکھنے کا ہے فتح مکہ پر نہیں...

6۔ سیاسی بصیرت اور مخلصانہ قائدانہ صلاحیت کی بات تو یہ تھی کہ مولانا عسجد رضا یوگی سرکار کے ایکشن کے ری ایکشن میں یہ بیان دیتے کہ ہم راشٹریہ گیت شوق سے گائیں گے اور ہندوستانی عدلیہ کے سامنے یہ وضاحت بھی کریں گے کہ یہ گیت ایک انگریز افسر کی چاپلوسی میں لکھا گیا"...

مولانا موصوف نے زبان واسلوب کی پاسداری کے ساتھ اتنے نقد کر ڈالے لیکن کاش وہ تعمق نظر سے کام لیتے تو انہیں ایسے بچکانہ اعتراض کرنے کی زحمت نہ اٹھانا پڑتی... ہم نمبر وار موصوف کے اعتراضات کے جوابات تحریر کرتے ہیں:

☐ جناب خالد ایوب مصباحی کا پہلا اعتراض ہے کہ عسجد میاں کا بیان "مدلل اور اطمینان بخش نہیں ہے" یعنی خالد ایوب مصباحی کو حضرت عسجد میاں کے بیان میں دلیل نہیں ملی جس سے انہیں اطمینان بھی نہیں مل سکا... لیکن کمال دیکھیے اپنے اعتراض نمبر 6 میں خود ہی دلیل ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں "ہم ہندوستانی عدلیہ کے سامنے وضاحت کریں کہ یہ گیت انگریز افسر کی چاپلوسی میں لکھا گیا" اب آپ غور کریں کہ چند سطر پہلے وہ دلیل نہ ہونے کا الزام لگاتے ہیں اور پھر چند سطر بعد خود ہی دلیل کا ذکر بھی کرتے ہیں؟ اب یا تو موصوف شوق اعتراض میں دلیل دیکھ کر بھی ہضم کر گئے یا پھر ہر دو چند سطر کے بعد موصوف پچھلا لکھا یاد نہیں رکھ پاتے؟ پہلے الزام دیتے ہیں اور بعد میں اپنے ہی دعوے کو باطل قرار دیتے ہیں فیا للعجب!

یہاں ہم موصوف سے اتنا ہی کہنا چاہیں گے:

آپ ہی اپنی اداؤں پہ ذرا غور کریں
ہم جو عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

یہ بات تو صاف ہوگئی کہ حضرت عسجد میاں کا بیان مدلل ہے بس خالد ایوب مصباحی ذرا دیر میں سمجھے اور سمجھنے سے پہلے ہی نقد کر بیٹھے خیر! کبھی کبھی ایسا ہو جاتا ہے... خوشی ہے کہ انہیں چند سطر بعد خود ہی یاد آ گیا.. امید ہے کہ اب موصوف کو اطمینان بھی مل گیا ہوگا... مزید اطمینان کے لئے یہ بات ذہن نشیں رکھیں کہ رابندر ناتھ ٹیگور کے اس ترانہ میں کل پانچ بند ہیں جن میں پہلے بند میں لفظ "ادھینا یک" موصوف ہے اور بقیہ چار اشعار اسی موصوف کی صفت قرار پاتے ہیں... اب یہاں سوال یہ ہے کہ "ادھینا یک" سے مراد کون ہے؟ اکثر لوگ کہتے ہیں کہ اس سے مراد جارج پنجم ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد ٹیگور کے عقیدے کے مطابق ایک دیوتا ہے،... پھر اس نظم میں کثرت کے ساتھ لفظ "جیا ہے" کا استعمال کیا گیا ہے جس کو سیدی اعلی حضرت اور شارح بخاری مفتی شریف الحق علیہما الرحمہ نے شعار ہنود قرار دیا ہے... اور یہ بولنا مسلمانوں کے لیے جائز نہیں ہے...

☐ خالد ایوب مصباحی صاحب کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ "یہ بیان قوم کے حق میں سود مند نہیں ہے" یعنی متعصب سیاسی لیڈران کا ہر مذہب مخالف فیصلہ تسلیم کر لینا قوم کے لیے سود مند ہے؟ ہم تو بچپن سے یہ سنتے چلے آئے ہیں کہ

ظلم سہنے سے بھی ظالم کی مدد ہوتی ہے

لیکن آج خالد ایوب مصباحی صاحب نے بتایا کہ ظلم سہنا اور ظالم کی مدد کرنا قوم کے حق میں فائدہ مند ہوتا ہے... خوف کے سایہ میں جی رہی قوم مسلم کو جس بیان سے جرأت وبہادری اور غیرت ایمانی کا احساس زندہ ہوا وہ بیان قوم کے حق میں مضر ہے تو پھر ایسا کیا جائے کہ قوم کو آر ایس ایس کی فلاسفی پر قربان کر دیا جائے؟

شکوہ بے جا بھی کرے کوئی تو لازم ہے شعور

☐ موصوف کا تیسرا اعتراض ہے کہ اس بیان سے دیوبند نے فائدہ اٹھایا اور حکومت سے اتفاق کیا۔

یہ اعتراض پڑھ کر سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ آخر موصوف نے کیا سوچ کر یہ اعتراض کر دیا؟ اگر ہماری ضد میں دیوبندی حرام کو حلال اور ناجائز کو جائز مان لیں تو ہمیں کیا فرق پڑتا ہے؟ وہ حکومت کی خوشنودی حاصل کرنے اور مراعات لینے کے لیے شریعت کا خون کرنے پر آمادہ ہو جائیں تو اس میں تعجب اور افسوس کیا کیا بات ہے؟ دیوبند کی تاریخ

شاہد ہے کہ انہوں نے ہر دور میں ایمان وضمیر کا سودا کیا اور قوم فروشی کے عوض کے بڑی جائدادیں اور رقمیں جمع کیں...اور آج بھی وہ ایسا کر رہے ہیں تو افسوس کیسا؟ محض دنیاوی فائدہ اٹھانے کے لیے ہم شریعت تو پامال نہیں کر سکتے؟ ہمارے اکابرین کا طرز عمل تو یہ رہا ہے:

سر جھکایا نہیں تلوار سے اونچا رکھا
اپنے کردار کو دستار سے اونچا رکھا

اس لئے اگر دیوبندی ابن الوقتی سے کام لے رہے ہیں تو لینے دیں یہ افسوس کی بات نہیں ہے...

☐ موصوف کا چوتھا اعتراض یہ ہے کہ اگر یہ گیت جائز نہیں تھا تو 70 سال کے طویل عرصہ سے علماحق نے اس کے کیے چپی کیوں سادھ رکھی تھی وندے ماترم کی طرح اس کے خلاف ایکشن کیوں نہیں لیا گیا۔

موصوف ایک بڑے ادارے سے فارغ التحصیل ہیں خود سوچیں کہ یہ کون سا معقول اعتراض ہے کہ اگر ناجائز تھا تو پہلے کسی نے کیوں نہیں کہا؟ یہاں موصوف خود جواب دیں کہ کیا پچھلے 70 سال میں اس ترانہ کے درست مفہوم وترجمہ پر واقفیت کے بعد کسی ذمہ دار سنی عالم نے اس کو جائز قرار دیا؟ اور دوسرا سوال یہ بھی ہے کہ اب سے پہلے کسی حکومت نے اس ترانہ کو مسلمانوں کے لیے لازم قرار دیا؟ اور یہ بات آپ جیسے عالم دین سے پوشیدہ نہ ہوگی کہ دارالافتا حکم تب سناتا ہے جب وہاں کوئی سوال آتا ہے...خود سے سوال قائم کر کے جواب نہیں دیا جاتا....اب سے پیشتر یہ ترانہ گانا اختیاری تھا جو چاہے گائے، کسی پر لازم نہیں تھا اس لئے کسی عالم نے واضح طور پر کوئی حکم نہیں سنایا لیکن آج جب مسلم دشمنی کے جذبے سے سرشار ہو کر اس ترانہ کو اہل اسلام پر تھوپا گیا تو مرجع علماومشائخ، وارث علوم اعلی حضرت حضور تاج الشریعہ نے اس پر حکم شرع بیان فرمایا جس کی تائید جماعت اہل سنت کے بزرگ ترین عالم دین مفتی ایوب نعیمی صاحب شیخ الحدیث جامعہ نعیمیہ مرادآباد اور دیگر جید علمانے کی، اب آپ کے اعتراض کا کیا محمل ہے؟ ضروری نہیں کہ ہر خلاف شرع کام پر ایک ہی وقت میں حکم بیان کیا جائے...آج بھی کتنے ہی معاملات ایسے مل جائیں گے جو خلاف شرع تو ہیں لیکن کسی بھی دارالافتا سے کوئی حکم نہیں سنایا گیا، اس لیے نہیں کہ وہ سنانا نہیں چاہتے؟ بلکہ اس لئے کہ اس کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی، جب ضرورت ہوگی تو ضرور دینی رہنمائی کی جائے گی....

یہاں موصوف کے ایک انتہائی غیر مہذب ریمارک پر بھی توجہ دلانا چاہوں گا، موصوف نے لکھا ہے" اگر یہ ترانہ ناجائز تھا تو 70 سال سے علماحق نے اس پر چپی کیوں سادھ رکھی تھی؟

محترم قارئین! بغور خالد ایوب مصباحی کے اس جملہ کو پڑھیں اور دیکھیں کس طرح انہوں نے علماحق کی توہین کی ہے اور کس طرح ان کی تضحیک کی ہے..* چپی سادھنے کا محاورہ وہاں استعمال کیا جاتا ہے جہاں حق جاننے کے بعد بھی کوئی خاموشی اختیار کرے...کیا آپ یہ فاسد فکر پال سکتے ہیں کہ پچھلے 70 سال کے اکابر علمانے حق جاننے کے بعد بھی کتمان حق کا جرم کیا؟ الامان والحفیظ!

اتنی نہ بڑھا پاکی داماں کی حکایت

محترم خالد ایوب مصباحی صاحب آپ نے اپنی تحریر میں علماحقہ کے لیے کتنا بھدا اور ہلکا لفظ استعمال کیا اور علما پر مداہنت کا الزام عائد کیا؟ جس سے آپ کو احتراز لازم تھا...ہر صاحب خرد پر روشن ہے کہ عموماً سوال آنے پر جواب دیا جاتا ہے خود سے سوال مرتب نہیں کیا جاتا...فتامل وتدبر!

وندے ماترم پر حکم اس لئے سنایا گیا کہ آزادی کے پہلے روز سے شر پسندوں کا ٹولہ اہل اسلام سے اس شرکیہ ترانہ کو گانے کا مطالبہ کرتا تھا اس لئے اسی وقت اس کا شرعی حکم بیان کر دیا گیا لیکن! جن گن من کو بھی تھوپنے کی کوشش نہیں کی گئی اس لئے اس پر حکم نہیں سنایا گیا...

☐ جناب خالد ایوب مصباحی صاحب کا پانچواں اعتراض ہے کہ "یہ وقت صلح حدیبیہ پر نظر رکھنے کا ہے فتح مکہ پر نہیں"، مسلمانوں کو صلح حدیبیہ کے نام پر بزدلی سکھانے کا سلسلہ آج سے نہیں بلکہ آزادی سے پہلے بھی جاری تھا....اس وقت بھی جب انگریزی ظلم واستبداد کے خلاف آواز اٹھائی جاتی تو "مصلحت پسندوں" کا ٹولہ یہی جملہ دہراتا کہ "صلح حدیبیہ" پر نظر رکھو...یعنی خاموشی کے ساتھ رسوائی سہتے رہو...اور آج بھی جہاں اپنے حقوق کا مطالبہ کریں تو فوراً ہی حدیبیہ کی دہائی دینے والے جلوہ فرما ہو جاتے ہیں*...کوئی ہمیں یہ بتادے کہ حضور پاک علیہ السلام نے تو ایک مرتبہ صلح حدیبیہ کی تھی جس کا واضح نتیجہ اہل اسلام کے غلبہ کے روپ میں ظاہر ہوا...لیکن! * قبل آزادی سے اب تک ہمارے "صلح

پسند" کتنی صلح کر چکے ہیں مگر ابھی تک غلبہ تو چھوڑیے برابری کے آثار کی ہلکی کرن بھی نظر نہیں آ’’ * ...ایسا کیوں؟اس لئے کہ لوگوں نے اپنی بزدلی کو صلح حدیبیہ کے پردے میں چھپایا اور قوم کو بھی یہی سبق پڑھاتے رہے... عسجد میاں کے بیان کو فتح مکہ نہیں بلکہ اسلام کے ابتدائی عہد کے مخدوش حالات کے تناظر میں دیکھیں کہ جہاں سخت مظالم وآلام کے بعد بھی کفر کے سامنے سر نہیں جھکایا گیا، کوڑے کھائے، انگاروں پر جلے، گلے میں پھندے ڈالے گئے، جلتی زمین پر گھسیٹا گیا مگر کلمہ حق نہیں چھوڑا گیا...بس حضرت عسجد میاں نے بھی اپنی مظلوم اور ستم رسیدہ قوم کے حق میں اور ظلم کے خلاف آواز اٹھا کر یہ ثابت کیا ہے کہ:

جاری رہے جنگ ہواؤں سے صبح تک
یہ کس نے کہہ دیا کہ بجھا جا رہا ہوں میں

* اس اعلان حق سے اہل اسلام کے پژمردہ دلوں میں نئی جان پڑگئی، لوگوں میں ہمت بیدار ہوئی جس نظارہ اس وقت دکھائی پڑا جب بڑی تیزی کے ساتھ اہل اسلام نے اس اعلان حق کی کھل کر تائید کرنا شروع کی...اب تک سبھی خوف وہراس میں مبتلا تھے لیکن ایک ہی آواز نے سبھی کو جرأت مندی عطا کی...اس سے قوم پریشان نہیں ہوگی کامراں ہوگی...آزمائش سے ڈرنا قوم مسلم کا شیوہ نہیں رہا بلکہ آزمائشیں تو ہمارا زیور رہی ہیں.. بس آپ جیسے ’’مصلحت پسند حضرات‘‘ سے گزارش ہے کہ صلح حدیبیہ کی آڑ میں قوم کو بزدلی کا سبق نہ پڑھائیں...آپ تو اسی اعلان سے ہی شش وپنج میں پڑ گئے اگر فتح مکہ والے تیور اپنا لئے تو کہیں آپ ہجرت پر آمادہ نہ ہو جائیں؟

□ موصوف کا چھٹا اعتراض ہے ’’عسجد میاں کی سیاسی بصیرت اور مخلصانہ قائدانہ صلاحیت یہ ہوتی کہ وہ حکومت کی ہاں میں ملا کر بڑے پیمانے پر یوم آزادی مناتے، سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ روؤں یا ہنسوں؟

اگر حکومت کی ہاں میں ہوں ملانے کا نام بصیرت اور مخلصانہ قیادت ہے تو تملق وچاپلوسی کس چڑیا کا نام ہے؟

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا نام خرد

ایک طرف آپ خود تسلیم کرتے ہیں کہ یہ ترانہ انگریز حاکم کی چاپلوسی میں لکھا گیا اور خود عسجد میاں سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ شوق سے یہ ترانہ گائیں...یعنی چاپلوسی کریں وہ بھی شوق سے؟اس دورنگی اور ذلت ورسوائی کی امید ایک عام مخلص مسلمان سے بھی نہیں کی جاسکتی چہ جائیکہ قافلہ سالار عشق ومحبت امام احمد رضا کے گھرانے سے چاپلوسی کی امید لگائی جائے... یہ گھرانہ جب انگریزی ظلم واستبداد سے نہیں ڈرا اور حضرت عسجد میاں کے جداعلی مولانا رضا علی خاں ساری زندگی انگریزی حکومت سے لڑتے رہے تو انہیں کا خون عسجد میاں یہ کام کریں؟ کیا کسی دانا سے ایسی مضحکہ خیز مطالبہ کی امید کی جاسکتی ہے؟افسوس ہے مولانا خالد ایوب مصباحی پر کہ وہ چاپلوسی کو بصیرت اور ذلت کو مخلصانہ قیادت کا نام دے رہے ہیں:

کہہ رہے ہیں جنوں میں کیا کچھ
کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

موصوف نے ایک ہمدردی بھرا جملہ بھی کہا ہے کہ اس وقت ’’عسجد میاں سنکٹ میں گھرے ہیں‘‘ اس ہمدردی پر ہم بڑے مؤدب لہجے میں خالد ایوب مصباحی صاحب سے کہنا چاہیں گے موصوف عسجد میاں کے سنکٹ کے فکر نہ کریں اس خانوادہ کے ایک ایک فرد کا حال یہ ہے:

رکھا ہے آندھیوں نے ہی ہم کو کشیدہ سر
ہم وہ چراغ ہیں جنہیں نسبت ہوا سے ہے

اخیر ہم یہی کہنا چاہیں گے:

للہ! قوم کے حوصلوں کو پست نہ کریں بلکہ انہیں اپنے حقوق کو حاصل کرنے کا حوصلہ دلائیں قوم ویسے ہی کمزور پڑ چکی ہے انہیں مزید کم ہمت نہ بنائیں بلکہ ان کی خوابیدہ جرأت کو آواز لگائیں تا کہ وہ اپنے حقوق کی بازیابی کے لئے آواز بلند کریں اور اس کی اجازت ہمیں دستور ہند بھی دیتا ہے.... ہر بات میں ڈر کر بیٹھ جانا اور حکمت کے نام پر مداہنت سے کام لینے کا ہی نتیجہ ہے کہ ہم روز بروز دبتے چلے جارہے ہیں اگر ہم نے اپنے حقوق کا مطالبہ کرنا نہ چھوڑا ہوتا تو آج شاید یہ نظارہ نہ دیکھنا پڑتا....علامہ عسجد رضا کا پیغام محبت تو یہ ہے:

میری ہمت کو سراہو میرے ہمراہ چلو

□□□

پیکرِ اخلاص استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا

مفتی محمد عطاء اللہ نعیمی

(رئیس دار الافتاء جمعیت اشاعتِ اہل سنت پاکستان، کراچی)

سے ایک ملاقات

مفتی عطاء اللہ صاحب پاکستان کی ایک نامور شخصیت کے مالک ہیں، کئی کئی کتابوں کے مولف، اور ہزاروں تلامذہ کے استاذ گرامی ہیں۔ عمر کے اعتبار سے بہت زیادہ نہیں مگر شخصیت کے اعتبار سے نمائندہ منصب کے حامل ہیں، جناب میثم عباس رضوی نے حضرت گرامی سے انٹرویو کے لئے رابطہ کیا حضرت نے امصروفیات رشدید کے باوجود الرضا کے لئے وقت نکالا، اس کرم پر ہم ان کے شکر گزار ہیں۔

قارئین اس انٹرویو سے شادکام ہوں اور الرضا کی ٹیم مبارک باد دیں کہ وہ دور دور سے مختلف والے پھولوں سے ان کی ملاقات کراتے رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ مفتی صاحب کو سلامت رکھے اور انہیں اخلاص کے ساتھ کام کرتے رہنے جذبہ و وسیلہ عطا فرمائے، آمین

ادارہ

سوال: میں یہ چاہوں گا کہ پہلے ہمارے قارئین کو اپنی زندگی کے ابتدائی احوال سے متعلق آگاہ فرمائیں!

جواب: محمد عطاء اللہ نعیمی بن محمد شریف نقشبندی بن عمر دین نقشبندی بن کرم الٰہی نقشبندی بن کریم بخش۔ ولادت ۳دسمبر ۱۹۶۸ء جبکہ ڈاکومنٹس میں اسکول والوں کی غلطی سے ۶۸ / ۳ / ۱۲درج ہوگئی وہی چلانا پڑی۔ پیدائش کے وقت والدین صوبہ سندھ کے مشہور شہر ٹھٹھہ میں رہائش پذیر تھے۔

سوال: آپ نے ابتدائی تعلیم کہاں سے حاصل کی؟

جواب: والدین اس کے بعد ٹھٹھہ ضلع کی تحصیل گھوڑا باری کے علاقے دیھ انڈو منتقل ہوئے، جہاں بچپن گزرا، قرآنِ کریم والد صاحب سے وہیں پڑھا، اور اسکول کی چوتھی جماعت تک وہیں تعلیم حاصل کی۔ پھر ۱۹۷۹ء میں والد صاحب نے ٹھٹھہ شہر کے پرائمری اسکول میں پانچویں جماعت میں داخل کروا دیا اور والد صاحب کے دوست کے گھر پر رہائش رہی، پھر گورنمنٹ ہائی اسکول ٹھٹھہ کے ہاسٹل میں رہائش اختیار کی، جہاں کچھ رشتہ دار رہتے اور پڑھتے تھے، اس طرح میٹرک سائنس میں اسی اسکول سے کیا اور رہائش ہاسٹل میں رہی۔ گیارہویں جماعت میں جامعہ ملیہ گورنمنٹ ڈگری کالج ملیر کراچی میں پری انجنیئر نگ میں داخلہ لیا، پھر وفاقی گورنمنٹ اردو سائنس کالج گلشن اقبال، کراچی ٹرانسفر کروایا اور رہائش کچھ عرصہ عزیزوں کے ہاں، باقی عرصہ کرائے کے مکان میں رہا۔

سوال: معلوم ہوا پہلے آپ اسکول سے وابستہ تھے، پھر دینی تعلیم کی طرف کیسے رغبت ہوئی؟ تعلیمی تکمیل میں کن مراحل سے گزر پڑا؟

جواب: بارہویں جماعت میں تھا کہ یادگار سلف استاذ العلماء فقیہ العصر حضرت علامہ شیخ الحدیث مفتی محمد احمد نعیمی مدظلہ کی دعا سے دل میں دینی علوم کی تحصیل کا شوق پیدا ہوا، اور انہی کے مدرسہ دار العلوم انوار المجددیۃ النعیمیۃ، غریب آباد ملیر توسیعی کالونی میں ۱۹۸۷ء میں فارسی سے پڑھنا شروع کیا۔ اسی سال والد صاحب کے سگے چچا قطبِ وقت حضرت میاں غلام رسول نقشبندی مجددی سے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں ماہِ شعبان میں ساہیوال چک نمبر 99/6R نیا میں بیعت کا شرف حاصل کیا۔ اسی سال ماہِ رمضان میں بحری جہاز کے ذریعے قبلہ استاذ صاحب مفتی محمد احمد نعیمی مدظلہ کے ساتھ عمرہ کی

سعادت حاصل ہوئی۔ اور اسی سال ماہِ اگست میں گیارہویں بارہویں کے ایک ساتھ میں امتحانات دیے، جن میں کامیابی ہوئی، کیونکہ سائنس کو چھوڑنا مجبوری تھی۔ اور اسی دارُ العلوم میں استاذ صاحب قبلہ کی خصوصی توجہ سے پڑھتا رہا، تمام طلباء سے الگ سبق پڑھاتے، اس طرح قدوری میں ایک جماعت کے ساتھ شامل کر دیا گیا۔ اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہا، ۱۹۸۹ء سے مختلف مساجد میں امامت پھر خطابت کی ذمہ داری بھی ملتی رہی۔ اور وہیں پڑھتے ہوئے پروفیسر عبدالباری صدیقی سابق خطیب شاہی مسجد ٹھٹھہ کی تحریک پر ریگولر B.A علامہ اقبال کالج سے سیکنڈ ڈویژن میں پاس کیا۔ کراچی ثانوی بورڈ سے علامہ مولانا محمد علی زنگیجہ مرحوم کی تحریک پر فاضل عربی درجہ دوم میں پاس کیا، اور انہی کی تحریک پر سندھ یونیورسٹی، جامشورو حیدر آباد سندھ میں ایم اے عربی میں داخلہ لے لیا، ہفتہ واری کلاسز میں شریک ہوتا رہا۔ ۱۹۹۲ء دسمبر میں فائنل سمسٹر دیا۔ اور فرسٹ کلاس فرسٹ پوزیشن میں ایم اے عربی کا امتحان پاس کیا۔ درسِ نظامی وہیں قبلہ مفتی محمد احمد نعیمی کے پاس جاری رہا۔ ۱۹۹۲ء کے آخر میں دورہ حدیث میں پہنچ گیا۔ ۱۹۹۳ء کے شروع میں دورہ سے فارغ ہوا۔ اس تمام عرصے کے دوران قبلہ استاد صاحب کی خدمت میں رہتے ہوئے فتویٰ نویسی بھی سیکھتا رہا۔ کتابیں اٹھا کر دینا، پھر عبارات تلاش کر کے دینا اور حضرت کے فتاویٰ کو نقل کرنا۔ یہاں تک کہ ۱۹۹۰ء میں حضرت فرماتے: اس سوال کا جواب لکھ دو، تو لکھ کر دے دیتا، حالانکہ میں ابھی پڑھ رہا تھا، جیسے ہی درسِ نظامی و دورہ حدیث سے فارغ ہوا، حضرت نے افتاء کی اجازت مرحمت فرمادی اور وہیں تدریس بھی کرتا رہا۔

سوال: فراغت کے بعد کہاں کہاں تدریس کی خدمات انجام دیں؟

جواب: ۱۹۹۲ء کے دسمبر میں گورنمنٹ اسکول میں عربی ٹیچر کے طور پر متعین ہوا، گریڈ B-09 میں، پھر B-14 میں ترقی ہوئی، پھر B-16، پھر B-18، پھر B-19 میں، فراغت سے قبل ہی کچھ اسباق پڑھاتا رہا، فراغت کے بعد مستقل کتب ہدایہ اخیرین وغیرہ، پھر بخاری، مسلم کو چھوڑ کر بقیہ دورہ حدیث کی کتب پڑھانے کا موقع میسر آیا اور دارُ العلوم میں بطور ناظم تعلیمات رہا۔ پھر ۱۹۹۹ء میں جمعیت اشاعتِ اہلسنت (پاکستان) میٹھادر، کراچی سے علامہ عثمان برکاتی کے ذریعے مجھ سے رابطہ کیا گیا کہ یہاں دارالافتا قائم کرنا ہے، میرے انکار پر قبلہ استاذ صاحب مفتی محمد احمد نعیمی سے کہلوایا گیا، ناچار ہاں کرنا پڑی، اور ۲۰۰۰ء میں یہاں آ گیا۔ دارُ الافتاء قائم کیا، لائبریری قائم کی، اور کتب جمع کرنا شروع کیں، جواب الحمدللہ ایک وسیع لائبریری ہے۔ فتاویٰ نویسی ایک عرصے تک اکیلا ہی کرتا تھا۔ پھر کچھ علماء سیکھنے کی غرض سے آنے لگے، پھر **تخصص فی الفقہ** کا آغاز ہوا، اس میں بھی علماءِ کرام نے دلچسپی لینا شروع کی تو باقاعدہ اس کا آغاز کیا اس طرح یہ کام وسیع ہو گیا۔ شروع سے ہی تدریس کی ذمہ داری ساتھ ساتھ رہی، بڑی کتب پڑھاتا رہا، جب یہاں دورۂ حدیث کا آغاز ہوا تو ۲۰۰۴ء یا ۲۰۰۵ء میں باقاعدہ شیخ الحدیث کے طور پر متعین ہوا، تب سے لے کر اب تک جمعیت کے مردوں کے دو مدرسوں اور لیڈیز کے ایک مدرسہ میں بطور شیخ الحدیث اپنی خدمات سرانجام دے رہا ہوں۔ اور سند بھی میری ہی جاری ہوتی ہے نعیمی ہونے کے ناطے میری سند سیدی و سندی استاذی شیخ الحدیث مفتی محمد احمد نعیمی مدظلہ، پھر مفتی اعظم سندھ مفتی محمد عبداللہ نعیمی علیہ الرحمہ، پھر تاج العلماء مفتی محمد عمر نعیمی علیہ الرحمہ کے واسطے سے صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ سے جا کر ملتی ہے۔ اور دارُ الافتاء کے سربراہ کی حیثیت سے اور شیخ الحدیث کے طور پر اور دارُ التحقیق والتصنیف کے سربراہ کے طور پر اب تک اسی ادارے میں موجود ہوں۔ مزید یہ کہ یہاں سے اشاعتی سلسلہ جو تقریباً 28 سالوں سے جاری ہے، اس کی ذمہ داری بھی ۲۰۰۵ء یا ۲۰۰۶ء سے فقیر کے پاس ہے، جس کے لیے مجھے بھی لکھنا پڑا اور دیگر علماءِ کرام سے کام کروانا پڑا۔ اور عربی کتب پر بھی کام کروایا۔ جیسے **”السیف الجلی علی ساب النبی“** مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی کی تصنیف اس کی عربی پر علامہ عبداللہ فہیمی سے کام کروایا اور کویت سے شائع کروایا۔ اس طرح شرح عقودِ رسم المفتی پر حواشی اعلیحضرت کا کام ڈاکٹر حامد علیمی

صاحب سے کام کروا کے اسے ادارے نے شائع کیا، پھر مصر سے شائع کروایا۔ اور مخدوم عبداللہ میندھرو کی کتاب "مواھب العلام" پر علامہ عبداللہ فہیمی سے کام کروا رہا ہوں۔

سوال: کیا تصنیف و تالیف سے بھی تعلق ہے؟ آپ نے اب تک کتنی کتب تالیف فرمائی ہیں اور کتنی کتب کے ترجمہ و تخریج کا موقع ملا؟

جواب: ا مصروفیات کے سبب بہت کچھ تو نہیں کر سکا، مگر حالات اور تقاضے کے مطابق کچھ نہ کچھ ضرور لکھتا رہا، یہ اپنے ذوق کا معاملہ تھا کہ وقت ملنے پر کچھ لکھ لیا گیا، ورنہ جن حالات سے دو چار رہنا ہوتا اس میں تصنیف تالیف کیا، مضمون لکھنا بھی جوئے شیر لانا ہوتا ہے۔ خیر جو لکھ سکا وہ حسب ذیل ہے:

۱) خدا چاہتا ہے رضائے محمد

۲) فتاویٰ حج و عمرہ، حصہ اول جو ۱۶۰ صفحات پر مشتمل ہے نومبر ۲۰۰۷ء میں ۲۸۰۰ کی تعداد میں شائع ہوا۔

۳) فتاویٰ حج و عمرہ، حصہ حصہ دوئم جو ۱۵۵ صفحات پر مشتمل ہے اور دسمبر ۲۰۰۷ء میں ۲۸۰۰ کی تعداد میں شائع ہوا۔

۴) فتاویٰ حج و عمرہ، حصے سوئم جو ۱۵۱ صفحات پر مشتمل ہے جو نومبر ۲۰۱۰ء میں ۳۰۰۰ کی تعداد میں شائع ہوا

۵) فتاویٰ حج و عمرہ حصہ چہارم جو ۱۵۶ صفحات پر مشتمل ہے اونومبر ۲۰۰۸ء میں ۲۸۰۰ کی تعداد میں شائع ہو

۶) فتاویٰ حج و عمرہ، حصہ پنجم جو ۱۰۱ صفحات پر مشتمل ہے، جو نومبر ۲۰۱۰ء میں ۳۰۰۰ کی تعداد میں شائع ہوا۔

۷) فتاویٰ حج و عمرہ حصہ ششم جو کہ ۱۰۸ صفحات پر مشتمل ہے دسمبر ۲۰۱۰ میں ۳۰۰۰ کی تعداد میں شائع ہوا

۸) فتاویٰ حج و عمرہ حصہ ہفتم جو کہ ۱۱۰ صفحات پر مشتمل ہے ستمبر ۲۰۱۲ میں ۳۶۰۰ کی تعداد میں شائع ہوا

۹) فتاویٰ حج و عمرہ حصہ ہشتم جو کہ ۹۶ صفحات پر مشتمل ہے ستمبر ۲۰۱۳ میں ۳۵۰۰ کی تعداد میں شائع ہوا۔

۱۰) فتاویٰ حج و عمرہ حصہ نہم جو کہ ۱۳۲ صفحات پر مشتمل ہے اور اگست ۲۰۱۵ میں ۴۷۰۰ کی تعداد میں شائع ہوا۔

۱۱) فتاویٰ حج و عمرہ حصہ دہم جو کہ ۱۰۰ صفحات پر مشتمل ہے اور جون ۲۰۱۷ میں ۵۵۰۰ کی تعداد میں شائع ہوا۔ا

۱۲) فتاویٰ حج و عمرہ حصہ گیارواں جو کہ ۸۷ صفحات پر مشتمل ہے اور جولائی ۲۰۱۷ میں ۵۵۰۰ کی تعداد میں شائع ہوا۔

یہ تمام حصے بانی ادارہ علامہ محمد عرفان ضیائی مدظلہ کی ترتیب سے ان کے ادارے جمعیت اشاعت اہلسنت پاکستان نے شائع کیے۔

۲۰۱۵ء میں (M Phil / M.S) میں کراچی یونیورسٹی میں داخلہ لیا، کلاسز اور امتحانات مکمل کیے، عنوان "فتاویٰ واحدی" للمخدوم عبد الواحد سیوستانی حنفی متوفی ۱۲۲۴ھ کی پہلی جلد لی، پھر اس پر PhD کا مقالہ لکھا جسے گزشتہ سال ستمبر میں جمع کروانا تھا مگر عدیم الفرصتی کی وجہ سے جمع نہ کروا سکا۔ امید ہے کہ اس سال جمع کروا دوں گا۔

سوال: کیا حج کا شرف اور سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضری کی سعادت مرحمت ہوئی؟

جواب: جی الحمد للہ! اس شرف سے مشرف ہوں جس کی تفصیل یہ ہے کہ جمعیت اشاعتِ اہلسنت پاکستان کا اشاعتی ادارہ ہے اس کے تحت ہر سال مسائل کے حل کے لئے مجھے جانا ہوتا ہے۔ ۲۰۰۴ء سے یہ شروع ہوا، صرف ۲۰۱۵ء میں اہلِ خانہ کی طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے کینسل کرا دیا۔ اس سال ۲۰۱۷ء میں چند روز میں ان شاء اللہ حاضری ہوگی۔ اس سفر کا مقصد لوگوں کے مسائلِ حج کو حل کرنا ہوتا ہے اور جانے کے لیے مجھے ادارہ مجبور کرتا ہے۔، کچھ عرصہ تک یہ شعبہ میرے ہاتھ میں نہ تھا، بعد میں ذمہ داری ملی جو ہنوز قائم ہے، میں ۲۸ سالوں میں طبع ہونے والے رسائل کا مولانا خرم محمود سے اشاریہ تیار کروا رہا ہوں جو مکمل ہونے پر شائع ہوگا۔

پاکستان میں اہلسنت کا مستقبل تابناک ہے مگر اتحاد کی سخت ضرورت ہے۔ اتحاد نہ ہونے کی وجہ سے اہلسنت نے ناقابل تلافی نقصان اُٹھایا ہے، اتحاد کی کوششیں مختلف ادوار میں کی جاتی رہیں مگر کامیاب نہ ہوسکیں۔ اب بھی احباب کی طرف سے کوشش جاری ہے اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے کامیابی سے ہمکنار فرمائے۔

سوال: پاکستان میں اہل سنت کا ماحول کیا ہے؟ کیا وہاں بھی صلح کلیت بال و پر پھیلا رہی ہے؟ اگر ایسا ہے تو اس کا اصل محرک اور داعی کون ہے کسی ایک کا نام لیجیے، جس سے سنیت کو نقصان پہنچا؟

جواب: جی پاکستان میں الحمد للہ سنیت کا غلبہ ہے اور علما بیدار ہیں، علما کی بیداری ہی جماعت کی جان ہے جو یہاں حاصل

ہے، ہاں صلح کلیت نے سر ابھارا تھا جس کے داعی و اصل محرک ڈاکٹر طاہر القادری ہیں۔ مگر یہاں علماءِ اہلسنت نے اس کے سد باب کے لیے بڑی جدوجہد کی، ان کے ساتھ میٹنگیں کیں، سمجھانا چاہا، بات مباحثہ تک کی آئی مگر زعم ہمہ دانی میں جن کے دماغ کی بتی گل ہو چکی ہو انہیں کیا نظر آئے؟ مگر صلح کلیت کا زور کم ہو رہا ہے اس کے لئے تقریری اور تحریری طور پر جو کوششیں کی ہیں قابلِ تحسین ہیں اور طاہر القادری کی اب تو سیاسی حلقہ میں بھی ہوا نکل چکی ہے۔

سوال: ملک پاکستان میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری کی خدمات اور اس کی اشاعت کے سلسلہ میں کیا ہو رہا ہے؟

جواب: ہاں الحمد للہ یہاں سرکار اعلیٰ حضرت کو ماننے والے ہی نہیں ان پہ جانیں نظر نچھاور کرنے والے بھی ہیں، علمی اور تحقیقی اعتبار سے بھی ہمارے یہاں خوب کام ہوا اور واقعی ع

گونج گونج اٹھے ہیں نغمات رضا سے بوستاں

کا منظر سامنے آ گیا ہے، میں اس سلسلہ میں کن کن تنظیموں اور اداروں کا نام لوں؟ ہاں مرکزی مجلس لاہور، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی، رضا فاؤنڈیشن لاہور اور دیگر شخصیات نے اس فکر رضا کی اشاعت میں جو کارہائے نمایاں انجام دئے ان کی نظیر مشکل ہے۔ اب بھی کام ہو رہا ہے اور ہوگا۔ انشا اللہ! کہ اعلیٰ حضرت ہمارے عہد کی بھی ضرورت ہیں اور ان کے دم سے ہی جماعت میں اتحاد مطلوب کو خواب پورا ہو سکتا ہے۔

سوال: الرضا کے قاری کے لئے کوئی پیغام؟

جواب: الرضا خود ہی ایک پیغام ہے، حق پہ چلنے کا، حق بولنے کا اور حق کی فتح کا۔ جو شمارے مجھے پڑھنے کے لئے ملے اس سے یہ اطمینان ضرور ہوا کہ ہندوستان کا یہ رسالہ ہمارے ملک کے لوگوں کو بھی مطالعہ کی دعوت دیتا ہے۔ اگر یہاں سے بھی اس کی اشاعت ہوتی ہے تو یہ جماعت کا بڑا کام ہوگا۔ جو لوگ اس کے اہل ہیں انہیں اس طرف پہل کرنی چاہیۓ، میں بھی حتی المقدور انشااللہ کوشش سے باز نہیں آوں گا۔

الرضا کے قاری خوش نصیب ہیں کہ انہیں اس دور ابتلا میں حق پہ ثبات قدمی کی دعوت دینے والا رسالہ مل رہا ہے۔ خدائے تعالیٰ اس رسالہ کی عمر لمبی کرے اور مدیر و معاون حضرات کو سلامت رکھے آمین۔

□□□

ڈاکٹر امجد رضا امجدؔ کی کتاب

میزان ادب

بہار اردو اکیڈمی کے مالی تعاون سے منظر عام پہ

ڈاکٹر امجد رضا امجدؔ کے تحقیقی تنقیدی اور تبصراتی مقالات و مضامین کا مجموعہ ''میزان ادب'' بہار اردو اکیڈمی کے مالی تعاون سے جلد منظر عام پہ آ رہی ہے۔ اس کتاب کے دو حصے ہیں۔

حصۂ نثر:

جس میں دس مضامین ہیں
مخزن تحقیق: تعارف و تجزیہ
نعتیہ شاعری کے آداب کا تنقیدی جائزہ
کلیات مکاتیب رضا: کا تنقیدی مطالعہ
''کنز الایمان کا لسانی جائزہ'' ایک مطالعہ
صحیح البہاری کا اردو ترجمہ
مکتوبات مسعودی: خزانہ معلومات
عرفان عرب: ایک مطالعہ
وقت ہزار نعمت: تجزیاتی مطالعہ
پیوستہ گزشتہ: ایک مطالعہ
اسلحے سکے اور ڈاک میں اسلامیات

حصہ منظومات:

جنا بحضور کی مثنوی ''شہد و شیر'' ایک مطالعہ
اردو میں حمد نگاری اور ''سامان بخشش''
سلسلہ نامہ ۴-۵ کا تنقیدی جائزہ
خیابان مدحت: پر ایک نظر
''شاخ زیتون'' کا شاعر: رمز عظیم آبادی
''لوح افکار'' کا تعارفی و تنقیدی مطالعہ

شائقین حضرات ادارہ القلم فاؤنڈیشن سلطان گنج پٹنہ سے طلب کر سکتے ہیں

9835423434

امام احمد رضا اور جدید سائنس

مولانا ڈاکٹر نجم القادری، ایم اے، پی ایچ ڈی

امام احمد رضا اپنے مضبوط علم و فکر، محفوظ علم و عشق اور مستحکم شعور و اِدراک کی بنیاد پر پورے عہد (۱۸۵۶ھ/۱۹۲۱ء) پر چھائے رہے..... گونا گوں علوم و فنون کے آسمان سے ادب و آگہی کے شمس و قمر لٹاتے رہے..... اور یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم کے بل بوتے پر اپنی شخصی عظمت کا خراج اربابِ علم و دانش سے وصول کرتے رہے..... وہ تن تنہا جتنے علوم و فنون پر مہارتِ تامہ رکھتے تھے اتنے علوم و فنون آج بھی دنیا کی کسی ایک یونی ورسٹی میں پڑھائے نہیں جاتے۔ مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ کے عالی مقام علمائے کرام کو سندِ اجازت و خلافت عطا کرتے ہوئے بطور تحدیث نعمت اپنے علمی تنوع کی بھی وضاحت کی ہے..... مثلاً

۲۱ر علوم کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ ‘‘اپنے والد ماجد سے حاصل کیا’’

۱۰ر علوم کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ ‘‘نقاد علماء سے اجازت حاصل ہے’’

۲۸ر علوم کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ ‘‘صرف ربّ کے فیض سے حاصل کیا ہے۔’’ (الاجازات المتینہ)

یہ کل ۵۹ر علوم و فنون ہوئے اور کمال یہ ہے کہ ہر فن میں کتابیں تصنیف فرمائیں، اور کتابیں بھی ایسی کہ ان کی جس فن کی کتاب اُٹھائیے تحقیق و تنقیح کے جلوے دیکھ کر آپ کی طبیعت پکار اٹھے گی کہ اس فن پر یہ کتاب ‘‘حرفِ آخر’’ ہے۔ ڈاکٹر مجید اللہ قادری پروفیسر شعبۂ ریاضیات کراچی یونی ورسٹی کراچی کی تحقیق کے مطابق ان علوم و فنون میں سے ۳۰ر کا تعلق جدید سائنسی علوم سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی افکار و نظریات پر جدید علوم کے گولہ و بارود سے جب بھی آپ کے عہد میں حملہ ہوا تو آپ ہی نے جدید علوم ہی کی روشنی میں دندان شکن جواب دیا اور اسلام کے دامن پر آنچ نہیں آنے دی۔ مثلاً جب حرکتِ زمین کا نظریہ پیش کر کے قرآنی ارشاد کی فصیل پر گولے داغے جا رہے تھے، تو آپ نے ‘‘فوزِ مبین در ردِ حرکت زمین’’ لکھ کر قرآن متصادم نظریہ کی بیخ کنی کر دی۔ جب جدید آلات و اسباب کا سہارا لے کر علوم خمسہ میں علم ما فی الارحام کو چیلنج کیا جا رہا تھا تو آپ نے ‘‘الصمصام’’ لکھ کر انگریزی نظریات کی دھجی اُڑا دی۔ اور جب پروفیسر البرٹ ایف پورٹا نے اپنے زعم علم میں چوُر ہو کر ۱۷ر دسمبر ۱۹۱۹ء کی آنے والی تباہی کی پیش گوئی اخبارات میں چھپوا کر پورے ملک میں بے چینی پیدا کر دی تو پروفیسر البرٹ ایف پورٹا کو اسی کی دلیل سے ایسا ذلیل کر دیا کہ سارا پندارِ علم چکنا چور ہو کر رہ گیا، اور زمانہ نے دیکھا کہ وہی ہوا جو احمد رضا نے کہا تھا..... ان کے چند اہم سائنسی موضوعات کی قدرے تفصیل نذرِ ناظرین ہے:

معاشیات:

روزی روزگار کا مسئلہ آج کا بڑا پیچیدہ اور بحث آرا مسئلہ ہے۔ اس کی اہمیت ہی کے پیش نظر باضابطہ طور پر اس نظریہ کو کالج و یونی ورسٹی میں شاملِ نصاب کیا گیا ہے اور مستقل سبجیکٹ کی حیثیت سے اس کے افادی پہلوؤں پر صبح و شام لیکچر دیئے جا رہے ہیں۔ نئے گوشے تلاش کیے جا رہے ہیں۔ جس سے نئے نئے آفاق فتح ہو رہے ہیں۔ اسی ایک نظریہ سے کائنات کی تسخیر کا عمل صبح و شام جاری ہے۔ لیکن بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ جدید معاشی نظریہ سب سے پہلے امام احمد رضا نے پیش کیا ہے۔ مسلمانوں کی اقتصادی زبوں حالی اور معاشی بدحالی کو دور کر کے باوقار، آبرومندانہ، عظمت بداماں زندگی کے حصول کے لیے آپ نے معاشی نظریات پر مشتمل ‘‘تدبیر فلاح و نجات و اصلاح’’ نام کی معرکۃ الآرا کتاب ۱۹۱۲ء میں تحریر فرمائی، جو سب سے پہلے کلکتہ سے شائع ہوئی۔ آپ نے اس کتاب میں چار نکات پیش کیے ہیں، جو چار ہزار نکات پر بھاری ہیں۔ ان چاروں نکات کا مختصراً خلاصہ یہ ہے:

۱) ان اُمور کے علاوہ جن میں حکومت دخل انداز ہے مسلمان

اپنے معاملات باہم فیصل کریں، تاکہ مقدمہ بازی میں جو کروڑوں روپے خرچ ہو رہے ہیں پس انداز ہو سکیں۔

۲) بمبئی، کلکتہ، رنگون، مدراس، حیدر آباد کے تونگر مسلمان اپنے بھائیوں کے لیے بینک کھولیں۔

۳) مسلمان اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدیں۔

۴) علمِ دین کی ترویج واشاعت کریں۔

پروفیسر رفیع اللہ صدیقی، کونز یونی ورسٹی کینڈا نے امام احمد رضا کے اس چار نکاتی پروگرام کو بنیاد بنا کر بڑا وقیع وبسیط مقالہ ترتیب دیا ہے، آپ فرماتے ہیں.....

''۱۹۱۲ء میں جب کہ یہ نکات شائع ہوئے برصغیر میں علمِ اقتصادیات کا مطالعہ عام نہیں تھا..... ۱۹۳۶ء میں ایک انگریز ماہر اقتصادیات جے، ایم، کینز نے اپنا مشہور زمانہ ''نظریۂ روزگارو آمدنی'' پیش کیا...... کینز کو ان کی خدمات کے صلے میں تاجِ برطانیا نے ''لارڈ'' کے خطاب سے نوازا..... جدید اقتصادی نظریات کی ابتدا ۱۹۳۰ء کے بعد سے ہوئی۔ یہ بات کس قدر حیرت انگیز ہے کہ نگاہِ مردِ مومن نے ان جدید اقتصادی تقاضوں کی جھلک ۱۹۱۲ء ہی میں دکھا دی تھی۔''

۱۹۳۶ء میں جدید معاشی نظریہ پیش کرنے والے کو ''لارڈ'' جیسے عظیم خطاب سے اگر نوازا جا سکتا ہے تو پھر وہ شخصیت کتنے عظیم خطاب کی مستحق ہوگی جس نے اس نظریہ سے ۲۴ ربرس پہلے ۱۹۱۲ء ہی میں جدید معاشی نظریہ پیش کر دیا تھا۔ یہ زندہ قوم کی زندگی کی علامت ہے کہ کارنامہ گر شخصیت کو ملکی سطح پر متعارف کرایا جائے، خوب خوب ان کی حوصلہ افزائی کی جائے، کھلے دل سے ان کی صلاحیت وعظمت کا اعتراف کیا جائے۔ مگر بُرا ہو متعصّبانہ ذہنیت کا جس نے قومِ مسلم کی سوچ وفکر کے سرچشمہ ہی کو منجمد کر رکھا ہے۔ دل میں احساسِ حقیقت کا جوہر موجود ہوتے ہوئے بھی زبان اظہارِ بیان سے قاصر نظر آتی ہے۔ جس کا خمیازہ ہے کہ ساری عالمی شخصیتوں کا آفاقی پیغام بھی ارتعاشی نظریوں کی نذر ہو جاتا ہے اور دنیا سمجھتی ہے کہ ہم میں کوئی عبقری نہیں ہے۔ وقت آ گیا ہے کہ اپنی عظمت کا لوہا منوانے کے لیے فکری تنگناؤں کے حصار سے نکلیں اور امام احمد رضا جیسی جینئس شخصیت کو عالمی اسٹیج پر پیش کریں۔

تقویم وفلکیات:

اسلامی عبادات میں مہینہ، تاریخ اور تعین اوقات کی بڑی اہمیت ہے۔ طلوع وغروب اور اوقاتِ صحیحہ کے علم کے بغیر کامل عبادت کا تصور نہیں کیا جا سکتا بلکہ بعض صورت میں تو عبادت سرے سے ہوگی ہی نہیں، اس لیے ضروری ہے کہ جس عبادت کا جو وقت ہے اس کی صحیح معرفت حاصل کی جائے۔ فنِ توقیت میں امام احمد رضا کے کمال کا عالم یہ تھا کہ سورج آج کب نکلے گا، اس کو بلا تکلف معلوم کر لیتے۔ ستاروں کی معرفت اور ان کی چال کی شناخت پر اس قدر عبور تھا کہ رات میں تارا دیکھ کر، اور دن میں سورج دیکھ کر گھڑی ملا لیا کرتے۔ ایک صاحب نے دریافت کیا کہ رمضان شریف کی رات کے ساتویں حصے کے باقی رہنے پر کھانا، پینا چاہیے کہ نہیں؟..... اس کے جواب میں آپ نے جو فتویٰ تحریر فرمایا ہے وہ علوم قدیمہ وجدیدہ کا گنج گرانمایہ تو ہے ہی، تلاش صدق وحق میں جو آپ کی کوششیں تھیں اس کی بھی غمازی وعکاسی کرتا ہے۔ جواب میں اپنے فلکیاتی مطالعوں، تجرباتی مشاہدوں کی بنیاد پر فرماتے ہیں:

..... ''مذکورہ عام طریقہ بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔ کبھی رات کا ہنوز چھٹا حصہ باقی رہتا ہے کہ صبح ہو جاتی ہے، اور کبھی ساتواں، آٹھواں، نواں اور یہاں تک کہ صرف دسواں حصہ رہتا ہے کہ اس وقت صبح ہو جاتی ہے۔ سائل چوں کہ شہر بریلی کے رہنے والے تھے، لہٰذا امام احمد رضا نے بریلی اور اس کے موافق العرض شہروں کے لیے رؤس اور بروج کا ایک ایسا نقشہ ہی مرتب کر دیا جو تا ابدان مضافات کے لیے رات اور صبح کی صحیح نشان دہی کرتا رہے گا، اور اس کا جھنجھٹ ہی نہ رہے گا کہ انتہائے وقت سحری کیا ہوگی؟ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فتاویٰ رضویہ، جلد چہارم)

اوقاتِ صوم کے ساتھ اوقاتِ صلوٰۃ بھی امام احمد رضا کی اولیات سے ہے۔ آپ سے پہلے اوقاتِ صوم وصلوٰۃ کا کوئی چارٹ کہیں نہیں تھا، آپ نے اس ضرورت کو محسوس فرمایا اور اوقاتِ صلوٰۃ مرتب فرما کر قوم وملت کے حوالہ کر دیا۔ یہ مسجدوں میں آویزاں اوقاتِ صوم وصلوٰۃ امام احمد رضا کے فیوض وبرکات کے نمایاں اثرات ہیں..... ڈاکٹر سید عبداللہ طارق (علیگ) رقم طراز ہیں.....

''برصغیر ہندو پاک کی ہر مسجد میں نقشہ نظام اوقات صلوٰۃ سے استفادہ کرنے والے بیشتر حضرات شاید اس سے بے خبر ہیں کہ یہ نظامِ اوقات امام احمد رضا خان کی دین ہے۔''

یہ امام احمد رضا کی مہارتِ علمی دقت کا روشن ثبوت ہے کہ جس فن

کوان کے قلم نے چھولیا چار چاند لگا دیا۔ جس موضوع کو انھوں نے چھیڑ دیا اس کے ملحقات ولوازمات کا حق ادا کر دیا۔ فنِ توقیت وتقویم پر ان کی فکری گہر ریزی دیکھ کر تو یہ گمان ہونے لگتا ہے کہ یہ کسی خالص مولانا صاحب کا قلم ہے یا بین الاقوامی ماہر افلاک ونجوم کا۔

ریاضیات:

دنیا میں جتنے علوم وفنون ہیں ہر ایک سے احکام دینیہ کی تقویت وتائید کا کام لیا جا سکتا ہے لیکن فنی مہارت کے بغیر کسی بھی علم سے اس موضوع پر کام لینا عادتاً محال ہے۔ اس لیے علمائے دین کی ایک جماعت نے ہر دور میں کسی نہ کسی عقلی یا ریاضی فن میں مہارت کی طرف توجہ دی اور اس سے دینی مسائل کے لیے قوت فراہم کی۔ تجربات کی ہزاروں منزلوں سے گذرنے کے بعد فن ریاضی کو وہ مقام حاصل ہوا کہ کسی عقلی فن کو صحت کے نتیجے کے اعتبار سے یہ مقام نہ مل سکا۔ امام احمد رضا نے اپنے وفور علم، ژرف نگاہی، وسعت مطالعہ اور قوتِ فکر کے اعتبار سے اس فن سے استفادہ بھی کیا اور نوادرات عدیدہ جدیدہ سے اس کا دامن مالامال بھی کیا۔..... ڈاکٹر حسن رضا خاں ڈائریکٹر ادارۂ تحقیقات عربی وفارسی پٹنہ یونی ورسٹی تحریر فرماتے ہیں:

''..... علمِ ریاضی سے اعلیٰ حضرت نے علمِ فقہ کی جتنی خدمتیں کیں پوری تاریخ اسلام میں ایک مثالی کارنامہ ہے۔ مثلاً سمت قبلہ، طلوع وغروب، اوقاتِ صوم وصلوٰۃ کی تخریج، زکوٰۃ وفطرہ کے لیے اوزان و پیمانہ کا تعین، مسافتِ سفر کی تقدیر، وغیرہ بے شمار مسائل پر آپ کی نادر تحقیقات اور ایجادی قواعد وضوابط نے فقۂ اسلامی میں ایک مہتم بالشان باب کا اضافہ کیا ہے۔''

اس فن میں ان کی گہرائی وگیرائی اور حاضر العلمی کا عالم کیا تھا، وہ ریاضی کے فلک ہفتم پر بیٹھ کر کس طرح ضوفشانی کر رہے تھے، کیف وکم کے اعتبار سے اگر کوئی پارکھ جانچنا چاہے تو خود اس کے لیے کتنے وفور علم کی ضرورت ہے۔

ڈاکٹر سید عبداللہ طارق (علیگ) رقم طراز ہیں:

......''امام احمد رضا کی حسابی باریکیوں کو پوری طرح سمجھنے کے لیے کم از کم ایم، ایس، سی (ریاضی) کی استعداد کی ضرورت ہے۔''

اس حذاقت وممارست کے باوصف اس فن میں آپ کا کوئی استاذ نہیں ہے۔ چنانچہ جب ماہر ریاضیات ڈاکٹر سر محمد ضیاء الدین وائس چانسلر مسلم یونی ورسٹی علی گڈھ نے ریاضی کے ایک لاینحل مسئلہ کا حل سنا تو بے ساختہ سوال کیا..... ''حضور! اس فن میں آپ کا استاد کون ہے؟

تو ارشاد فرمایا:

......''میرا کوئی استاذ نہیں ہے۔ میں نے اپنے والد ماجد علیہ الرحمہ سے صرف چار قاعدے جمع، تفریق، ضرب، تقسیم اس لیے سیکھ لیے تھے کہ ترکہ کے مسائل میں ان کی ضرورت پڑتی ہے۔ شرح چغمینی شروع کی تھی کہ حضرت والد ماجد نے فرمایا کیوں اپنا وقت اس میں صَرف کرتے ہو۔ مصطفیٰ پیارے صلی اللہ علیہ وسلم کی سرکار سے یہ علوم تم کو خود ہی سکھا دیئے جائیں گے۔ چنانچہ یہ جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں مکان کی چار دیواری کے اندر بیٹھا خود ہی کرتا رہتا ہوں۔ یہ سب سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا کرم ہے۔''

ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد' امام احمد رضا کے علم واخلاق سے ایسے متاثر ہوئے کہ انھوں نے بریلی شریف کی واپسی پر داڑھی رکھ لی اور صوم وصلوٰۃ کے پابند ہو گئے۔ موصوف کا خیال تھا کہ

......''دینی، مذہبی، اسلامی علوم کے ساتھ ریاضی، اقلیدس، جبر ومقابلہ، توقیت وغیرہا میں اتنی زبردست قابلیت اور مہارت کہ میری عقل جس ریاضی کے مسئلے کو ہفتوں غور وفکر کے بعد بھی حل نہ کر سکی، حضرت نے چند منٹ میں حل کر کے رکھ دیا۔ صحیح معنیٰ میں یہ ہستی ''نوبل پرائز'' کی مستحق ہے۔''

علم کیمیا:

آپ کا مجموعۂ فتاویٰ (فتاویٰ رضویہ، تقریباً دس ہزار صفحات پر مشتمل بارہ جلدیں) اسلامی انسائیکلو پیڈیا ہی نہیں سائنسی علوم وافکار کا بھی بحر ذخار ہے۔ مسائلِ دینیہ کے ضمن میں یا مسائل کے تحقق و تفحص میں آپ کے سیال قلم کی جوت جب پڑی ہے تو تہہ نشیں جواہرات کی چکاچوند سے صفحہ کا صفحہ درخشاں ہو گیا ہے۔ اور نوادرات فکر سے جدید علوم کا بھی نصیبہ چمک اُٹھا ہے۔......

آپ نے فتاویٰ رضویہ میں تیمم کے باب میں جنسِ ارضی اور آگ کا تذکرہ...... اور ایک سو اسّی ۱۸۰ چیزوں کے نام جن پر تیمم کیا جا سکتا ہے، اور پھر ایک سوتیس ۱۳۰ چیزوں کے نام جن پر تیمم جائز نہیں، اس کی تفصیل ووضاحت کے ساتھ مدلل ذکر کیا ہے کہ عقل

حیران رہ جاتی ہے۔ جنسِ ارضی کی تقدیر و تجدید کو چار مقام پر تقسیم فرمایا ہے۔ مقامِ اوّل تجدیدِ جنس کے لیے مخصوص فرمایا ہے اور اس کے لیے پانچ الفاظ کا استعمال فرمایا ہے: (۱) احتراق (۲) ترمُّد (۳) لین (۴) دوبان (۵) انطباع۔ پھر ان الفاظِ خمسہ کے معنی اور ان کی باہمی نسبتوں کا ذکر اس انداز سے فرمایا ہے کہ ماننا پڑتا ہے کہ علمِ کیمیا میں بھی آپ کی مہارت بے مثال اور حذاقت باکمال ہے۔ ایم حسن امام مظفر پوری تحریر فرماتے ہیں:

> ......''میرے خیال میں آگ اور آگ کا مادّے پر اثر سے متعلق جتنی باتیں آپ یہاں اس باب میں یکجا پائیں گے۔ اسے آپ اگر نایاب نہ کہیں تو نہ کہیں کمیاب ضرور کہیں گے۔ میرا اندازہ ہے کہ اسے اور اس قسم کے نسخۂ کیمیا کو بنیاد بنا کر ریسرچ کیا جائے تو موجودہ علمِ کیمیا فقط ماضی کی یاد بن کر رہ جائے گی۔ ایک انوکھی چیز جو اس باب میں دیکھنے کو ملی ہے وہ یہ کہ کان کی ہر جگہ گندھک اور پارے کے نکاح کی اولاد ہے، گندھک نر ہے اور پارہ مادہ، یہ چیز علم کیمیا کے محقق کے لیے دعوتِ فکر ہے۔''

حرکت زمین:

امام احمد رضا کا یہ علمی کمال ہے کہ خالص مذہبی شخصیت ہونے کے باوجود آپ نے علمِ سائنس کے علم برداروں کو میدانِ سائنس میں چیلنج کیا اور دلائل کی بجلی سے ان کے مزعومات کے گھروندوں کو خس و خاشاک کی طرح اُڑا دیا۔ بہت سے وہ نظریئے جو اسلامی نظریئے کے مقابل ہوئے ان میں نظریہ حرکت زمین بھی ہے۔ اسلامی نظریہ یہ ہے کہ زمین ساکن ہے، اور سائنسی نظریہ یہ ہے کہ زمین گردش میں ہے۔......امام احمد رضا کے عہد میں پروفیسر آئن اسٹائن نے ایک تجربہ کیا، جس سے اس نظریہ کا رد ہوتا تھا۔ لیکن انھوں نے پھر اس کی ایسی توجیہہ کی جس سے یہ ثابت ہوگیا۔ مگر بقول سید محمد تقی......''یہ سائنس کی تاریخ کی سب سے زیادہ غیر عقلی توجیہہ تھی''۔

امام احمد رضا' آئن اسٹائن کے ہم عصر ہیں۔ انھوں نے آئن اسٹائن اور دیگر سائنس دانوں کے افکار و خیالات کی گرفت کی اور ایک سو پانچ ۱۰۵ دلائل سے نظریۂ حرکت زمین کو باطل قرار دیا۔ جدید سائنس کی تکنیکی لغزشوں اور اُصولی غلطیوں کی نشان دہی کی اور صحت مند اُصول بخشا۔ خود فرماتے ہیں:

> ......''بعونہٖ تعالیٰ فقیر نے ردِ فلسفۂ جدیدہ میں ایک مبسوط کتاب ''فوزِ مبین در ردِ حرکت زمین (۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء) لکھی، جس میں ایک سو پانچ ۱۰۵ دلائل سے حرکت زمین باطل کی، اور جاذبیت و نافریت وغیرہ ہا مزعومات فلسفۂ جدیدہ پر روشن رد کیے، جن کے مطالعے سے ہر ذی انصاف پر بحمدہٖ تعالیٰ آفتاب سے زیادہ روشن ہوجائے کہ فلسفۂ جدیدہ کو اصلاً عقل سے مس نہیں۔''

ان ایک سو پانچ ۱۰۵ دلیلوں میں نوے ۹۰ دلیلیں امام احمد رضا کی طبع زاد ہیں۔ جس وقت آپ نے یہ نظریہ پیش کیا تھا اُس وقت دیکھنے والوں نے چاہے جس انداز سے دیکھا ہو، اب تو عالم یہ ہے کہ سو سے زائد آئن اسٹائن اور نیوٹن کے ناقدین پیدا ہو چکے ہیں۔

۱۹۸۲ء میں صوبہ کرناٹک کے ضلع رائچور میں ہندوستانی سائنس دانوں کی دو روزہ کانفرنس ہوئی، جس میں بعض سائنس دانوں نے اپنے ۱۳ر سالہ تجربے و مشاہدے کی بنا پر نیوٹن کے نظریہ کشش ثقل کو رد کر دیا، اور دوسرے سائنس دانوں کو دعوتِ غور و فکر دی۔

مولانا اخلاق حسین قاسمی لکھتے ہیں......

> ......''پہلے زمانے کے لوگ یہ یقین رکھتے تھے کہ سورج زمین کے گرد چکر لگا رہا ہے۔ بعد میں یہ نظریہ قائم کیا گیا کہ سورج اپنی جگہ قائم ہے۔ پھر یہ نظریہ بھی مستقل ثابت نہ ہوا، اور اب موجودہ زمانے کے ماہرین فلکیات کہتے ہیں کہ سورج اپنے پورے نظام شمسی کو لیے ہوئے بیس کلومیٹر تقریباً ۱۲ر میل فی سیکنڈ کی رفتار سے گردش کر رہا ہے۔''

اب چاہے کوئی کچھ کہے، اولیت کا سہرا امام احمد رضا ہی کے سر ہے، بلکہ اب جو بھی خیال آرائی ہوگی وہ امام احمد رضا کے نظریۂ سکونِ زمین کی منھ بولتی تائید ہی ہوگی۔ یہ سرزمین ہند کا سرنامۂ افتخار ہے کہ اُنیسویں صدی عیسوی میں اس نے ایک ایسے دیدہ ور ناقد و بصیر کو جنم دیا جو ایک طرف دینی علوم کا تاجدار تھا، تو دوسری طرف سائنسی علوم کا دانائے راز۔

ابر رحمت ان کے مرقد پر گہر باری کرے

☆☆☆

مفتی اعظم ہند اور صدر الافاضل

کچھ یادیں کچھ باتیں

تقسیم در تقسیم کا شکار ملت اسلامیہ کے لئے ایثار و خلوص اور باہمی احترام کی ایک حسین روداد

غلام مصطفی نعیمی (مدیر اعلیٰ، سواد اعظم دہلی)

شہزادۂ اعلیٰ حضرت پیکر تقویٰ وطہارت ہم شبیہ غوث اعظم حضرت علامہ مفتی محمد مصطفی رضا خاں المعروف حضور مفتی اعظم ہند کی ذات ستودہ صفات محتاج تعارف نہیں ہے۔ ان کے بارے میں پاک و ہند کا ہر منصف مزاج شخص اچھی ہی رائے رکھتا ہے۔ جو اپنوں اور بے گانوں میں یکساں مقبول رہے۔ جن کی زندگی زہد و قناعت اور صبر و شکر کا عظیم نمونہ تھی۔ جو اپنی علمی ہیبت و شوکت اور وفور علمی کے باوجود ہمیشہ منکسر المزاج رہے۔ علما کی قدردانی ان کے مزاج کا لازمہ تھی۔ خلوص و ایثار گویا ان کے وجود مسعود کا ایک حصہ تھا۔ اگر ان کی زندگی کے کسی بھی حصے پر خامہ فرسائی کرنے بیٹھ جائیں تو دفتروں کے دفتر کھل جائیں لیکن ہم یہاں پر حضرت مفتی اعظم ہند کی زندگی کا ایک ایسا پہلو پیش کریں گے جو اس سے پہلے شاید ہی عوام و خواص کی نگاہوں سے گزرا ہو۔

یہ پہلو سرکار مفتی اعظم ہند کے امام الہند حضرت صدر الافاضل، آپ کے شہر اور آپ کے قائم کردہ ادارے جامعہ نعیمیہ سے والہانہ تعلق ہے۔ جو ہماری تاریخ کا ایک روشن و تابناک پہلو جس پر شاید اب تک نہیں لکھا گیا۔ جو ہمارے اکابرین کی وسیع القلبی، کشادہ ظرفی، آپسی احترام و اکرام اور ایثار و خلوص کی ایک ایسی داستان ہے جہاں قدم قدم پر بوئے وفا آتی ہے، الفت و محبت کے پیمانے چھلکتے دکھائی پڑتے ہیں، رحماء بینھم کی جیتی جاگتی تصویریں نظر آتی ہیں، بلندی کردار کی نئی تاریخ رقم کی جاتی ہے، جن کا کرادو عمل آج بھی ہمارے لیے ایک روشن مینارہ ہے جس کی روشنی میں تقسیم در تقسیم کا شکار ہماری ملت کو سکون و چین مل سکتا ہے، علما و مشائخ کے درمیان خلیج کو پاٹا جا سکتا ہے اور ہم اپنے اختلافات کو بآسانی دور کر سکتے ہیں۔

مفتی اعظم ہند اور صدر الافاضل سے قربت:

جس وقت بارگاہ اعلیٰ حضرت میں حضرت صدر الافاضل کی پہلی حاضری ہوئی اس وقت آپ کی عمر اکیس سال تھی یہ وہ وقت ہے جبکہ حضرت مفتی اعظم ہند عمر کی محض گیارہ سال کی تھی۔ یعنی دونوں کی عمر میں قریب دس سال کا فرق تھا۔ لیکن حضور مفتی اعظم ہند تو مادرزاد ولی تھے۔ وقت کے ایک عظیم بزرگ و شیخ نے ان کی ولایت کی پہلے ہی بشارت دے دی تھی۔ اسی وجہ سے مفتی اعظم دیگر بچوں سے کافی ممتاز تھے، جیسا کہ کہاوت ہے ع

ہونہار بِروا کے ہوتے چکنے چکنے پات

اس وقت سے حضرت صدر الافاضل اور مفتی اعظم ہند کے مابین جو تعلق قائم ہوا وہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑھتا ہی چلا گیا، کیونکہ اس تعلق میں عمر نہیں خیالات کی یکسانیت تھی، خدمت دین کے مساوی جذبات تھے، دونوں ہی ایک دوسرے کی صلاحیتوں سے واقف و رازدار تھے۔ اور اس تعلق کی بنیاد خلوص ایثار اور والہانہ محبت پر مبنی تھی۔ محبت و الفت احترام و اکرام اور

قدردانی میں دونوں بزرگ ایک دوسرے کے بہت قریب تھے۔

جب جب اہل سنت کو مشکلات درپیش ہوئیں تو اس کے دفاع کے لیے ان دو بزرگوں کا آپسی تال میل دیکھنے والا ہوتا تھا۔ تاریخ کے سینے پر ایسے کتنے واقعات درج ہیں جو میرے اس دعوے کی تائید کریں گے۔

مفتی اعظم کا صدرالافاضل سے لگاؤ:

جب ۱۹۲۳ء میں شدت پسند ہندؤں کی تنظیم شدھی اور سنگھٹن نے مسلم راجپوتوں کے خلاف ارتداد کی مہم چلائی اور لاکھوں مسلمانوں کو مرتد بناڈالا تب سرزمین بریلی سے اس فتنہ کے خلاف حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خاں علیہ الرحمہ نے آواز اٹھائی اور مرادآباد سے امام الہند حضرت صدرالافاضل کو یاد فرمایا آپ حاضر ہوئے تو حجۃ الاسلام نے اس فتنے کی سرکوبی کے لیے جن دو شخصیتوں کا انتخاب فرمایا وہ حضور مفتی اعظم ہند اور صدرالافاضل کی تھی۔ ان کی سرپرستی میں علما کا دس رکنی قافلہ روانہ ہوا۔

اس دس رکنی وفد نے راجپوتوں کو اسلام میں واپس لانے کے لیے بڑی مشقتیں اٹھائیں اور محنتیں کیں۔ جب یہ وفد آگرہ پہنچا جہاں اس ارتدادی مہم نے کافی مسلمانوں کو دین سے برگشتہ کر دیا تھا تو وہاں کی جامع مسجد میں حضرت صدرالافاضل کا خطاب نایاب ہوا جس کی مکمل روداد تحریری روپ میں حضرت مفتی اعظم ہند نے اس طرح درج کی ہے:

> ''ہمارے وفد کے بہترین رکن حضرت مولانا المحترم مولوی محمد نعیم الدین صاحب زیدت برکاتہ نے اسلام کی شان وشوکت اور موجودہ حالت زار پر دلگداز تقریر فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے مجمع ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا اور مسلمانوں کے دل اسلامی جوش سے لہریں مار رہے تھے۔''

(دبدبہ سکندری، مجریہ ۱۹ر فروری ۱۹۲۳ء)

اس اقتباس کا ایک ایک لفظ کس قدر اپنائیت اور محبت سے بھرا ہے اس پر مزید تبصرہ کی گنجائش نہیں لیکن ہاں یہ بات ضرور قابل غور ہے کہ حضرت مفتی اعظم ہند اگر چاہتے تو خود بھی خطاب فرما سکتے تھے مگر آپ نے خود خطاب نہ فرما کر صدرالافاضل کو آگے بڑھایا اور ساتھ ہی ان کو وفد کا بہترین رکن بھی قرار دیا، حالانکہ اس وفد میں خود سرکار مفتی اعظم بھی شریک تھے مگر آپسی احترام کا یہ عالم کہ حضرت صدرالافاضل کو اپنے اوپر فوقیت دے رہے ہیں۔ یہ تواضع وخاکساری کی عمدہ مثال ہے اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے مَن توَاضَع لِللہ رَفعہ اللہ۔ جو اللہ کے لیے تواضع اختیار کرے گا اللہ رب العزت اس کے درجہ کو بلند فرمائے گا۔

صدرالافاضل کے تعلق سے مفتی اعظم ہند کا یہ طرز عمل یہ بتانے کے لیے کافی ہے کہ وہ کس قدر وسیع القلب اور خوبیوں کا برملا اعتراف کرنے میں کس قدر فراخ دل تھے۔ یہ تعلقات ایک طرفہ نہیں تھے بلکہ باہمی جذبہ تھا جس کا اظہار وقتاً فوقتاً دونوں جانب سے ہوتا تھا۔

مفتی اعظم ہند کا شہر صدرالافاضل سے لگاؤ:

ہمارے ایک عزیز اور کرم فرما حضرت مولانا نعیم الدین رضوی علیگ جو ایک مشہور عالم اور خطیب ہیں موضع تمرؤ یا کلاں ضلع مرادآباد کے رہنے والے ہیں انہوں نے اپنے والد ماسٹر محمد اشفاق قریشی صاحب (جو سرکارِ مفتی اعظم کے مرید ہیں) کے حوالے سے بتایا کہ جب ان کی ولادت ہوئی تو ان کے والد بریلی شریف حاضر ہوئے اور حضرت مفتی اعظم ہند سے ملاقات کرنے کے بعد دل کا مدعا عرض کیا کہ حضرت غلام زادہ پیدا ہوا ہے، آپ اس کے بلندی نصیبہ کے لیے دعا فرمادیں اور اس کا نام بھی تجویز فرمادیں۔ یہ بات سن کر حضرت مفتی اعظم ہند نے فرمایا کہ ماسٹر صاحب آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں، انہوں نے عرض کی حضور میں مرادآباد سے حاضر ہوا ہوں۔ یہ سن کر مفتی اعظم مسکرائے اور کہا کہ ''شہر صدرالافاضل'' سے آئے ہو، انہوں نے عرض کی جی حضور! یہ سن کر مفتی اعظم نے بڑی معنیٰ خیزی کے ساتھ فرمایا کہ جب صدرالافاضل کے شہر سے آئے ہیں تو نام بھی ان کے نام پر ہی رکھیے جائیے آپ کے اس بیٹے کا نام حضرت صدرالافاضل کے نام پر ''نعیم الدین'' رکھا جاتا ہے۔

اس واقعے سے آپ اندازہ لگائیں کہ مفتی اعظم صدرلافاضل اور ان کے شہر سے کتنی محبت فرماتے تھے اور یہ سرکارِ مفتی اعظم کی کشادہ قلبی کا ایک روشن باب بھی ہے کہ اپنے مرید کے بیٹے کا نام خود پر یا اپنے شیخ پر نہ رکھ کر صدرالافاضل کے نام پر رکھا جو ان کی صدرالافاضل سے بے انتہا محبت کا کھلا ہوا ثبوت ہے

۔ سچ ہی کہا ہے کسی نے کہ جب کسی سے سچی محبت ہو جایئے تو اس سے منسوب چیزیں بھی پیاری ہو جاتی ہیں۔ بقولے ع

ہم کو عزیز ہے بس تیری نسبت کا خیال

صدر الافاضل کا مفتی اعظم سے لگاؤ:

یہ محبت وخلوص محض ایک طرفہ نہیں تھا بلکہ دونوں طرف الفت ووفا کی دلنواز خوشبو تھی۔ حضرت صدر الافاضل نے مفتی اعظم ہند کو اپنے ادارے جامعہ نعیمیہ کا سرپرست اعلیٰ بنایا تھا اور مفتی اعظم ہند تاحین حیات اس منصب پر فائز رہے اور بحسن وخوبی اس کی ذمہ داریوں کو انجام دیا۔

جامعہ نعیمیہ کے بزرگ اساتذہ کرام حضرت مفتی محمد ایوب صاحب نعیمی، شیخ الحدیث جامعہ اور حضرت علامہ پروفیسر محمد ہاشم صاحب نعیمی دام ظلہما بیان فرماتے ہیں کہ حضرت مفتی اعظم ہند کا معمول تھا کہ آپ جب بھی جامعہ میں تشریف لاتے تھے کبھی بھی جامعہ کا نذرانہ قبول نہیں فرماتے تھے۔ جب زیادہ اصرار کیا جاتا تو فرماتے کہ حضرت صدر الافاضل نے مجھے اس ادارے کا ذمہ دار بنایا ہے اور ذمہ دار خود خرچ کرتا ہے اپنے اوپر خرچ نہیں کراتا۔ یہ کہہ کر مفتی اعظم اپنی جیب سے کچھ پیسے نکال کر اس نذرانے میں ملا کر وہ سارے پیسے جامعہ کو واپس لوٹا دیتے۔

ایثار وخلوص کی ایسی روشن مثال کیا آسانی سے مل سکتی ہے ۔ آج تو حالت یہ ہے کہ اگر ادارے کا سرپرست آ رہا ہو تو اس کے استقبال کے لیے ادارے کو دل کھول کر پیسہ خرچ کرنا پڑتا ہے اعلیٰ قسم کی گاڑی میں آمد ورفت کا انتظام کرانا پڑتا ہے، عمدہ اور پرتکلف دعوتیں اس پر مستزاد! تب کہیں جا کر سرپرست صاحب کو احساس ہوتا ہے کہ ہاں ہم اس ادارے کے سرپرست ہیں۔ مگر مفتی اعظم اس قسم کے تکلفات سے کوسوں نہیں ہزاروں لاکھوں میل دور تھے۔

فارغین جامعہ نعیمیہ کے لیے تحائف لانا:

سرکار مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ جب جامعہ نعیمیہ کے سالانہ جلسہ دستار بندی کے موقع پر مرادآباد تشریف لاتے تھے تو آپ کا معمول تھا کہ جتنے بھی فارغین طلبہ ہوتے تھے سب کے لیے آپ کچھ نہ کچھ تحائف ضرور لاتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ یہ لوگ ہمارے سپاہی ہیں انہیں ملت کی حفاظت کرنا ہے جہاں بڑی مشکلات اٹھانا پڑیں گی اس لیے ان لوگوں کو تحائف دے کر ان کے دلوں کو شادوخرم رکھو تا کہ یہ خوش دلی سے فروغ دین کا کام انجام دے سکیں۔

پورے سال جامعہ نعیمیہ کے طلبہ اتنی شدت سے کسی چیز کا انتظار نہیں کرتے تھے جتنی شدت سے انہیں حضور مفتی اعظم سے ملنے والے تحفے کا انتظار رہتا تھا اور جو طالب علم بھی تحفہ حاصل کرتا تھا وہ پھولا نہیں سماتا تھا۔ آپ کی آمد پر پورا جامعہ گلزار ہو جاتا تھا ایسا لگتا تھا مانو ہزاروں گلاب مہک اٹھے ہوں۔ کیا علما کیا عوام کیا طلبہ سبھی مفتی اعظم سے نیاز مندی کو لیکر بڑے بے قرار رہتے تھے۔

جامعہ سے محبت کا ایک ناقابل فراموش واقعہ:

ہمارے اساتذہ کرام بیان فرماتے ہیں کہ جب سرکارِ مفتی اعظم ہند جامعہ نعیمیہ میں تشریف لاتے تو آپ جامعہ کا کھانا تناول نہیں فرماتے تھے اور یہ کہہ کر انکار کر دیا کرتے تھے کہ میرے کھانے سے بہتر ہے کہ وہ کھانا کسی طالب علم کو کھلا دیا جائے۔ میں یہاں کا خادم ہوں اگر نہیں کھاؤں گا تو حرج کی بات نہیں مگر یہ عزیز طلبہ جو اپنے اہل خانہ کو چھوڑ کر یہاں ہمارے مہمان بنے ہیں ان کا خیال رکھنا ہم پر لازم وضروری ہے۔ اس صورت حال کو دیکھ کر استاذ الاساتذہ فقیہ النفس حضرت مفتی حبیب اللہ نعیمی رحمۃ اللہ علیہ (سابق پرنسپل وشیخ الحدیث جامعہ) آپ کو اپنے گھر پر کھانے کی دعوت پیش کرتے جسے حضور مفتی اعظم ہند اس شرط پر قبول فرماتے کہ مفتی صاحب دعوت منظور، مگر آپ کچھ تکلف نہیں فرمائیں گے جو کچھ گھر میں بنا ہوگا بس وہی پیش کریں گے۔ جب کھانے سے فارغ ہو کر چلتے تو مفتی صاحب کے بچوں کو عطیہ دیے بغیر کبھی واپس نہ ہوتے۔ ہمارے استاذ محترم فقیہ العصر حضرت مفتی محمد ایوب صاحب قبلہ فرماتے ہیں کہ دستار بندی کے موقع پر کئی مرتبہ مفتی اعظم ہند نے میری دعوت قبول فرما کر اس فقیر پر بھی کرم فرمایا اور میرے گھر کو بھی اپنے قدوم میومنت سے سرفراز فرمایا۔

دونوں بزرگوں کی خدمات کا اعتراف:

جماعت اہل سنت کے ارباب حل وعقد کی نگاہ میں ان دو عظیم شخصیتوں کی کیا اہمیت تھی اس کا اندازہ جماعت رضائے مصطفی کے ارکان کی جانب سے لکھے گئے اس مکتوب سے لگائیں جو

انہوں نے شدھی تحریک میں امام الہند صدر الافاضل اور حضرت مفتی اعظم ہند کی بے مثال کارگزاری و جانفشانی کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کی بارگاہ میں خراج عقیدت اور ہدیہ تشکر پیش کیا:

> ''تبلیغی سرگرمیوں کی تفصیل اور مخلص کارکنوں کی شاقہ محنتوں کا مکمل تذکرہ دفتروں میں بھی نہیں آسکتا۔۔۔۔صاحبزادہ عالیشان فاضل جلیل المکانۃ والمکان حضرت مولانا مولوی مفتی شاہ محمد مصطفی رضا خاں صاحب دامت برکاتھم صدر شعبہ تبلیغ وحضرت فاضل اجل عالم بے بدل امام المناظرین استاد العلماء جناب مولانا مولوی حافظ حکیم سید محمد نعیم الدین صاحب دامت برکاتھم کی جانفشانیاں اور محنتیں اور ان حضرات کے فیوض وبرکات اور سرگرم مساعی کا تذکرہ کے لیے جماعت کے پاس زبان نہیں ہے کہ ادا کرسکے انہیں کی ہمت وبرکت تھی کہ جماعت کو ہر معرکہ اور ہر موقع میں امید سے زیادہ کامیابیاں نصیب ہوئیں ہم نہ ان کے اس احسان کو فراموش کرسکتے ہیں اور نہ ان کے شکریہ سے عہدہ برآ ہوسکتے ہیں جو تکلیفیں انہوں نے اٹھائی ہیں اور جو محنتیں برداشت کی ہیں ان کے نقوش ہمارے سینوں سے کبھی محو نہیں ہوسکتے ہیں۔''

(اخبار دبدبہ سکندری، مجریہ یکم مارچ ۱۹۲۶ء)

مرادآباد میں مفتی اعظم کا بے مثال استقبال:

حضرت صدر الافاضل کی نگاہ میں مفتی اعظم ہند کی وقعت ورفعت کس قدر تھی یہ تو سرکارِ صدر الافاضل ہی جانیں مگر زمانے کی نگاہوں نے جو دیکھا تو یہی پایا کہ مفتی اعظم ہند آپ کے نزدیک انتہائی محترم ومکرم تھے جس ایک نظارہ اس وقت بھی ظاہر ہوا جب لاہور کے ایک مناظرہ سے لوٹتے ہوئے مفتی اعظم مرادآباد سے گزرے تو حضرت صدر الافاضل نے انتہائی تزک واحتشام کے ساتھ آپ کا خیر مقدم کیا۔ خیر مقدم کا انداز کیا تھا اس کے بارے میں السواد الاعظم کی یہ رپورٹ ملاحظہ فرمائیں:

سرکار مفتی اعظم ہند اور حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں علیہما الرحمہ پنجاب کے مناظرے سے واپس لوٹ رہے تھے۔ پنجاب سے آنے والی فیروز پور ایکس پریس گاڑی مرادآباد ہوکر بریلی جاتی ہے۔ اس لیے صدر الافاضل نے درخواست کی شہزادگان اعلیٰ حضرت مرادآباد میں ہوکر جائیں۔ صدر الافاضل کی یہ دعوت قبول کی گئی، اب آگے کا حال خود رپورٹ کنندہ کی زبانی سنیے۔

> ''۹، فروری کو شب کے دس بجے تار سے اطلاع دی گئی کہ حضرت ممدوح صبح سات بجے پنجاب میل سے رونق افروز ہوں گے۔ موسم سرما میں ۱۰، بجے شب لوگ سوجاتے ہیں کسی کو اطلاع دینے اور خبر کرنے کا موقع بھی نہ تھا لیکن باوجود اس کے صبح کو میل کے پہنچنے کے وقت مسلمانوں کی کثیر تعداد جس میں عمائد وعلما اور ہر طبقہ کے مسلمان تھے، اسٹیشن پر موجود تھی۔ والنٹیر وں کی ایک جماعت جھنڈیاں لیے ہوئے منشی شوکت حسین صاحب کی سرکردگی میں صف بستہ تھی۔ مجمع دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ بڑے اہتمام بلیغ سے حضرت کی تشریف آوری کا اعلان کیا گیا ہے۔ گاڑی آئی اور حضرت حجۃ الاسلام اور آپ کے برادر حقیقی مفتی ہند مولانا شاہ مصطفی رضا خاں صاحب دام مجدہ اور جناب مولانا مولوی عبد الحق ساحب رئیس پیلی بھیت رونق افروز ہوئے۔ مرحبا کی صداؤں اور تکبیر کے نعروں سے فضا گونج اٹھی پھول نثار کیے گیے اور موٹروں میں آپ کا جلوس اسٹیشن سے روانہ ہوکر بازار شاہی مسجد اور منڈی چوک سے گزرتا ہوا مدرسہ عالیہ اہل سنت و جماعت مرادآباد (جامعہ نعیمیہ) میں پہنچا۔ موٹر آراستہ کیے گئے تھے راستے میں جابجا مدحیہ نظمیں خوش آوازی سے پڑھی جارہی تھیں، لوگ پھول برساتے تھے، عطر اور پان پیش کرتے تھے۔ ہجوم کثیر تھا بڑے شان وشکوہ کے ساتھ حضرت کی سواری مدرسے میں پہنچی تمام مجمع بیٹھ گیا۔ اور حضرت صدر الافاضل مولانا مولوی حافظ حکیم محمد نعیم الدین

صاحب دامت برکاتہم نے مسلمانانِ مرادآباد کی جانب سے حضرت حجۃ الاسلام اوران کے برادر حضرت مفتی ہند کی تشریف آوری کا شکریہ ادا کیا اور آپ کی دینی خدمات اور حمایت ملت کے کارناموں کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ کے طول حیات وکثرت فیوض وبرکات کی دعا کی''۔

(ماہنامہ السواد الاعظم مرادآباد، مجریہ ربیع الاول وجمادی الاول ۱۳۵۲ھ)

استقبال کے جشن کواپنی چشم تصور میں لائیں اور پھر سوچیں کہ دو طرفہ دیوانوں کی قطاریں، پھولوں کی بارش، مدحیہ نظمیں، استقبالی جھنڈے، نعروں کی گونج، نذریں پیش کرنا اور شہر کے سب سے اہم علاقوں میں اس جلوس کونکالنے جیسا بڑا اہتمام ہر کس وناکس کے لیے نہیں کیا جاتا یقینا حضرت مفتی اعظم ہند اور حجۃ الاسلام سے صدرالافاضل کوایک خصوصی تعلق اور لگاؤ تھا۔ اسی لیے آپ نے اس شان وشوکت کے ساتھ جلوس نکال کر اپنی بے پایاں محبتوں کا شاندار نمونہ پیش کیا۔ یہاں صدرالافاضل کے عقیدت مندوں کی دانش مندی کا بھی پتا چلتا ہے کہ فروری کی سردرات میں مفتی اعظم کی تشریف آوری کا پتا چلتا ہے اور صبح کو اسٹیشن پر ہزاروں کا مجمع اکٹھا ہوجاتا ہے۔ ظاہر سی بات ہے کہ صدرالافاضل کو اعلان کا موقع نہیں ملا مگر! آپ کی بارگاہ کے حاضر باش یقینا آپ کے مزاج شناس تھے اس لیے انہیں اعلان کی کوئی ضرورت پیش نہیں آئی اور انہوں نے اپنے آقائے نعمت صدرالافاضل کے مزاج کو پہچان کر ازخود ہی لوگوں کو اطلاع کردی اور نماز فجر پڑھتے ہی دیوانوں کا ہجوم مرادآباد کے اسٹیشن پر جمع ہوگیا۔ اور اہل مرادآباد کے اس مزاج کا بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے علماومشائخ کی بارگاہوں میں شروع ہی سے مؤدب، نذریں پیش کرنے اور محبت کرنے والے واقع ہوئے ہیں۔ اسٹیشن سے جامعہ نعیمیہ کا فاصلہ قریب دوکلومیٹر ہے، مگر یہ اہل مرادآباد کا مذہبی جوش ہی تھا کہ کڑاکے کی سردی میں اپنے معزز مہمانوں کو اہلاً وسہلاً مرحبا کی صداؤں میں بڑی شان وشوکت کے ساتھ لاتے ہیں۔

حضور مفتی اعظم ہند اور امام الہند فخر الاماثل حضرت صدرالافاضل علیہما الرحمہ کی حیات مبارکہ کی یہ چند کڑیاں تھیں جو آپ کی نگاہوں سے گزری۔ جن پر محبت وخلوص اور ایثار ووفا کا رنگِ حسین چڑھا ہے۔ وقت نے مہلت دی تو اس موضوع پر ان شاء اللہ مزید تاریخی شہادتیں پیش کروں گا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے اکابر کے ان معمولات کو دیکھ کر سبق حاصل کریں اور آپسی تعلقات کی نوعیت ایسے ہی رکھیں جیسے ہمارے بزرگوں کے مابین تھی۔ اگر ہم اس پر عمل کرنے میں کامیاب رہتے ہیں تو یقین جانیں ایک شاندار مستقبل ہمارا منتظر ہے۔

* * *

القلم فاؤنڈیشن پٹنہ کی مطبوعات

☐ قصیدہ آمال الابرار
☐ منتخب مسائل فتاویٰ رضویہ
☐ رضا بک ریویو کا حجۃ الاسلام نمبر
☐ تنقید برمحل
☐ کرامات خانوادہ رضا
☐ تجارت کے رہنما اصول
☐ امام حرم اور ہم
☐ رضویات کا اشاریہ نمبر
☐ جلوہ شان حق
☐ حج غلطیاں اور کفارے

رابطہ نمبر محفوظ کریں: 08434090021

ضرورت ہے

الرضا انٹرنیشنل پٹنہ کے لئے ایک سنی صحیح العقیدہ غیر منہاجی وغیر سراوی منیجر کی ضرورت ہے، خواہشمند حضرات ادارہ سے رابطہ کریں۔ تنخواہ معقول ہوگی اور عالم ہوں تو ہر اعتبار سے ان کو ترجیح بھی دی جائے گی۔

مضمون نگار حضرات

اپنے مضامین کمپوز شدہ اور ۵ر صفحات میں محدود ارسال کریں، صفحات زیادہ ہوں گے تو قطع وبرید کا اختیار ہوگا مضامین ارسال فرما کر اشاعت کے لئے پریشر نہ بنائیں۔

مولانا شعیب رضا صاحب کے انتقال پر علمائے اہل سنت کے تاثرات

تم کیا گئے کہ رونق محفل چلی گئی

ڈاکٹر غلام مصطفی نجم القادری
الجامعہ الرضویہ، مغلپورہ، پٹنہ

حضرت علامہ مولانا محمد شعیب رضا نعیمی علیہ الرحمہ کی رحلت بہت سارے جنوں خیز جذبوں کی موت ہے، ہم انہیں دیکھتے تھے کہ جب بھی کہیں سے اگر کوئی سر پھرا بریلویت مخالف نشتر چلاتا تو مولانا کی طبعیت مضطرب ہو جاتی، خود لکھتے اور دوسروں کو لکھنے کی ترغیب دیتے، خود بولتے اور دوسروں کو بولنے کا حوصلہ بخشتے، مسلک اعلی حضرت کے فروغ میں یہاں وہاں کہاں کہاں کشاں کشاں دورے پر دورہ کرتے رہے، موصوف ایک اچھے عالم، عمدہ فاضل اور فقہ وافتا کی باریکیوں پر نظر رکھنے والے ایک دیدہ ریز مفتی تھے، گفتگو میں متانت، تقریر میں وزن، اور تحریر میں شگفتگی ان کا نمایاں وصف تھا اور سونے پر سہاگہ یہ کہ داماد تاج الشریعہ کی حیثیت سے پلکوں میں سجائے جاتے، دلوں میں بٹھائے جاتے تھے، ان سے مستقبل میں بہت ساری امیدیں وابستہ تھیں مگر افسوس کہ ان کے ساتھ وہ تمام تمنائیں بھی زینت زمین ہو گئیں، ظاہر ہے ان کے جانے کا غم تمام محبان رضویات و بریلویت کو ہے، اللہ تعالی جہان سنیت کو ان کا نعم البدل بخشے اور تمام پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور موصوف کے درجات بلند فرما کر کروٹ کروٹ انہیں جنت الفردوس کی بہاروں سے شادکام فرمائے.....آمین

آہ! مفتی شعیب رضا

مولانا غلام رسول بلیاوی
صدر ادارہ شرعیہ بہار

رمضان المبارک کی وہ مبارک مگر اداس شام تھی جب مجھے جماعت اہل سنت کے بے باک مجاہد، مسلک اعلیٰ حضرت کے سچے خادم اور ملت اسلامیہ کی شیرازہ بندہ کے لئے جد و جہد کرنے والے مخلص عالم دین حضرت مولانا شعیب رضا صاحب علیہ الرحمہ کے انتقال پر ملال کی خبر مجھے پٹنہ میں موصول ہوئی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

حضرت مولانا شعیب صاحب کی رحلت حقیقۃً ایک عالم نہیں بلکہ پورے عالم کی موت ہے۔ وہ اپنے آپ میں واقعی ایک انجمن تھے ملک کے ہر حصہ کے علما سے ان کے والہانہ روابط تھے اور ذاتی نوعیت کے نہیں جماعتی نوعیت کے تھے۔ ان کی کوشش تھی کہ مسلک اعلیٰ حضرت کی حقانیت کا پرچم ہر سو لہرا دیا جائے اور پوری جماعت ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح ہو جائے تاکہ اسلام دشمن عناصر کا مقابلہ اور اسلامی اقتدار کا فروغ آسان ہو جائے مگر افسوس عالمانہ زندگی کے اس سفر میں موت آڑے آ گئی اور ان کا مشن ان کی زندگی میں ادھورا رہ گیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی دینی خدمات اور ان کی مخلصانہ سوچ کا بہتر اجر انہیں عطا فرمائے۔

مجھ سے ان کی ملاقات دہلی ممبئی بریلی شریف مختلف مقامات پر ہوئی، جب بھی ان سے ملاقات ہوئی محبت بھرے انداز میں خیریت پوچھی اور دعاؤں سے نوازا، ان کے ٹوٹ کر ملنے کا انداز دل میں اتر جانے والا ہوتا اور وہ واقعی ہمارے دل میں اترے ہوئے تھے اور اب ان کی جگہ ہمارے دل میں ہے۔ ان کے لہجہ

میں مٹھاس بھی تھا اور آواز میں کشش بھی، اسی کشش کا اثر تھا کا نوجوان علما کی ایک ٹیم ان سے وابستہ تھی۔ یقیناً ان کی رحلت سے جماعت کا نقصان ہوا ہے اور ان سے وابستہ علما کے حوصلے کو ٹھیس پہنچی ہے خدائے پاک شکستہ دلوں کے حوصلے بلند فرمائے تا کہ وہ اپنے مشن پہ لگے رہیں کہ یہ بھی ان کے ایصال ثواب کی بہترین صورت ہے۔

حضور تاج الشریعہ علامہ شاہ محمد اختر رضا قبلہ قادری دامت برکاتہم القدسیہ اور ان کے گھر والوں کو اس حادثہ سے جو صدمہ پہنچا ہے اس کا اندازہ کون کرسکتا ہے بالخصوص حضور تاج الشریعہ جو خود ہی ابھی مسلسل علالت کے شکار ہیں انہیں اس حادثہ سے جو تکلیف پہنچی ہے اس کے احساس سے ہی ان کے متوسلین و مریدین کی آنکھیں نم اور دل اداس ہے، پروردگار عالم حضرت مولانا شعیب رضا صاحب کو غریق رحمت فرمائے اور حضور تاج الشریعہ کو اس صدمہ کو سہنے کا حوصلہ عطا فرمائے اور انہیں صحت کلیہ عطا فرمائے، آمیں آمین آمین

جانے والے تو ہمیں یاد بہت آئے گا!

مفتی محمد راحت خاں قادری

دارالعلوم فیضان تاج الشریعہ بریلی شریف

سوشل میڈیا واٹس ایپ، ٹیلی گرام، فیس بوک اور ٹیوٹر وغیرہ پر روزانہ پیغامات آتے ہی رہتے ہیں لیکن اچانک آج ۱۵؍رمضان المبارک ۱۴۳۸ھ مطابق ۱۱؍جون ۲۰۱۷ء بروز پیر کو "عاشق حضور تاج الشریعہ، محترم جناب قمرغنی عثمانی صاحب" کا ایک پیغام آیا:

> "بڑے افسوس کے ساتھ یہ اطلاع دی جارہی ہے کہ آج
> ۱۱؍جون کو دوپہر تقریباً ۱۲؍بجے داماد حضور تاج الشریعہ
> حضرت مفتی شعیب رضا نعیمی صاحب قبلہ کا بریلی شریف
> میں انتقال ہوگیا ہے، آپ حضرات دعائے مغفرت
> کریں، تدفین کے وقت کا اعلان جلد کیا جائے گا"۔

اس خبر کو پڑھ کر بے اختیار آنکھیں برسنے لگیں، دل بے چین ہوگیا، احباب کو اس جانکاہ خبر کو بتایا جس نے سنا اس نے گہرے رنج و غم کا اظہار کیا، ناچیز راقم السطور نے اپنی مسجد میں قرآن خوانی وغیرہ کا اہتمام کر کے حضرت کے لیے ایصال ثواب کیا

اور لوگوں کو حضرت کی زندگی سے روشناس کرایا۔

کبھی خود پہ کبھی حالات پہ رونا آیا
بات نکلی تو ہر اک بات پہ رونا آیا

حضرت علامہ مفتی شعیب رضا خاں قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تقریباً ایک سال سے علیل تھے کئی بار ان کے مرض نے شدت اختیار کی جس کی وجہ سے حضور تاج الشریعہ حضرت علامہ الشاہ مفتی اختر رضا خاں قادری دامت برکاتہم العالیہ کے کئی پروگرام اور دیگر ممالک کے دورے رد ہوئے مفتی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے لیے ملک اور بیرون ملک لوگوں نے خلوص وللہیت کے ساتھ دعائیں کیں کئی بار ان کی طبیعت میں سدھار اور افاقہ کی خبریں آئیں ابھی چند دن پہلے شعبان کے آخری عشرہ اور رمضان المبارک کے پہلے عشرہ کے کچھ ایام راقم السطور کو دیار محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں گزارنے کی سعادت حاصل ہوئی ایک عالم دین کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رضۂ مبارک کے سامنے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں رو رو کر دعا کرتے ہوئے دیکھا ہمراہیوں کے ساتھ ناچیز نے بھی دعائیں کیں بریلی شریف واپسی پر حضرت کی خیریت معلوم کی تو پتا چلا کہ ابھی طبیعت ٹھیک ہے۔

۱۳؍رمضان المبارک کو سحری کے وقت اچانک ۳؍بجے حضرت مفتی صاحب قبلہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طبیعت پھر بگڑ گئی فوراً شہزادۂ حضور تاج الشریعہ، حضرت علامہ عسجد رضا خاں قادری دامت برکاتہم العالیہ، محترم جناب قمر غنی عثمانی صاحب، مولانا عابد صاحب، جناب بختیار بھائی اور مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بھائی وغیرہ ضلع بریلی شریف بھوجی پورہ کے ایک مشہور ہاسپٹل لے گیے وہاں ایمرجنسی وارڈ میں بھرتی کرایا، کچھ دیر کے بعد طبیعت میں سدھار ہوگیا اور حضرت کو دوسرے وارڈ میں منتقل کر دیا گیا، لیکن یہ طبیعت کا سدھار زیادہ دیر تک باقی نہیں رہا ۱۴؍ویں رمضان المبارک کو پھر حضرت کو ایمرجنسی وارڈ میں داخل کرنا پڑا اور اب برابر طبیعت بگڑتی ہی چلی گئی یہاں تک کہ ۱۵؍رمضان المبارک کو تقریباً ۱۲؍بارہ بجے دن کو ہمیشہ کے لیے اس فانی دنیا کو الوداع کر کے ہم سے ہمیشہ ہمیش کے لیے رخصت ہو کر ہم سب کو سوگوار حالت میں چھوڑ گیے۔ **اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّـا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ**

آنکھ سے دور سہی دل سے کہاں جائے گا
جانے والے تو ہمیں یاد بہت آئے گا

ملک اور بیرون ملک ان کے سانحۂ ارتحال کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل چکی تھی، اہل سنت و جماعت کی فضا مغموم تھی، ہر ایک کی زبان پر ان کے تذکرے تھے، کوئی ان سے زمانۂ طالب علمی کی دوستانہ یادوں کو بیان کر رہا تھا، کوئی ان کے احسانات کا تذکرہ کر رہا تھا، کوئی ان کی دینی خدمات کے اعتراف میں لگا ہوا تھا، سوشل میڈیا پر تعزیت نامے بھی عام ہو رہے تھے، اسی ماحول میں ناچیز راقم السطور حضرت کے آخری دیدار کے لیے کاشانۂ مرشد کی طرف اس نیت سے چلا کہ جنت کے اس مسافر کا دیدار کروں جس کو اللہ تعالیٰ نے موت کے لیے رمضان المقدس کا مبارک دن، شہر عشق محبت بریلی شریف کی زمین اور مرشد کا دیار عطا فرمایا، احباب کے ہمراہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قادری قدس سرہ کی گلیوں میں داخل ہوتا ہوں، یہاں آنا کوئی آج نیا نہیں تھا یہاں تو ہر دوسرے تیسرے دن حاضری ہوتی ہی رہتی ہے لیکن آج ماحول بدلا ہوا تھا چاروں طرف خاموشیاں اور غم کا ماحول تھا کاشانۂ مرشد پر سب سے پہلے محترم سید کیفی بریلوی صاحب سے ملاقات ہوتی ہے وہ غم بھرے لہجے میں سلام کا جواب دیتے ہیں ان سے دیدار کا عریضہ پیش کرتا ہوں وہ وہاں تک پہنچا دیتے ہیں اندر علما و عوام پہلے سے ہی کھڑے ہو کر دیدار میں مصروف تھے جو تلاوت قرآن اور اوراد وظائف کا ورد کر رہے تھے ناچیز بھی انہیں کے ساتھ شامل ہو گیا جب چہرۂ مبارک دیکھا تو دل سے آواز آئی کہ یہ اللہ کا مقبول بندہ ہے چہرے پر نورانیت ہوٹ وں پر مسکراہٹ لگ رہی تھی، آنکھیں اس طرح بند تھیں گویا ابھی کھول دیں گے، ان کی خاموشی گویا کہ یہ کہہ رہی تھی:

میری خاموشیوں میں لرزاں ہے
میرے نالوں کی گم شدہ آواز

مفتی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے آج خاموش ملاقات تو ہو گئی تھی لیکن دل رو کر یہ صدا دے رہا تھا کہ اب مفتی صاحب کو یاد کر کے یہ کہنا پڑا کرے گا:

تیرا ملنا خوشی کی بات سہی
تجھ سے مل کر اداس رہتا ہوں

۱۶؍رمضان المبارک کو بعد نماز فجر حضرت کی نماز جنازہ سٹی اسٹیشن کے قریب ہونے کا اعلان عام ہو چکا تھا کاشانۂ حضور تاج الشریعہ درگاہ اعلیٰ حضرت سوداگران سے جنازہ اٹھا، علما و مشائخ اور عوام اہل سنت کے کندھوں پر یہ جنازہ سٹی اسٹیشن قریب پہنچا، حضور تاج الشریعہ نے نماز جنازہ پڑھائی، ناچیز راقم السطور بھی نبیرۂ میر عبد الواحد بلگرامی حضرت میر سید حسین میاں واحدی بلگرامی دامت برکاتہم العالیہ کے ساتھ شریک ہوا خانوادۂ اعلیٰ حضرت کے تقریباً تمام مشائخ و شہزادگان بھی شریک ہوئے قاضی رامپور حضرت علامہ مفتی سید شاہد علی حسنی رامپوری کے علاوہ ہزاروں علما و مشائخ اور ائمہ و عوام نے شرکت کی اور نم ناک آنکھوں سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قادری قدس سرہ کے والد گرامی امام المتکلمین حضرت علامہ مفتی نقی علی خاں قادری قدس سرہ کے قریب ''سٹی قبرستان میں آپ کو آسودۂ خاک فرمایا۔

جنہیں اب گردش افلاک پیدا کر نہیں سکتی
کچھ ایسی ہستیاں بھی دفن ہیں گور غریباں میں

اللہ رب العزت حضرت کی قبر پر رحمت انوار کی بارش فرمائے، ان کے درجات کو بلند فرمائے، جن لوگوں کو ان کی رحلت سے صدمہ پہنچا ہے ان تمام کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے!
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے!

آہ مفتی شعیب آپ ہمیشہ یاد آؤ گے

مفتی محمد ارشد نعیمی قادری
نگرالوی بدایونی یوپی

اس دار فانی میں جو آیا ہے وہ اک دن ضرور اس دنیا کو چھوڑ کر جائیگا مگر کچھ جانے والے ایسے بھی ہوتے ہیں جو اپنی زندگی کے لافانی نقوش لوگوں کے دلوں پر نقش کر جاتے ہیں جو مٹائے نہیں مٹتے جن کی یاد ہمیشہ قلب و ذہن کو متاثر کرتی رہتی ہیں وہ کچھ ایسے کارنامے اس دنیا میں کر جاتے ہیں کہ ملت اسلامیہ ان کو یاد کر کر کے آنسو بہاتی ہے انہی ذوات قدسیہ میں اک ذات گرامی محسن ملت اسلامیہ ناشر مسائل شریعہ داماد تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد شعیب رضا قادری نعیمی رضوی بجنوری ثمہ بریلوی تغمدہ اللہ تعالیٰ علیہ بفضل الحاوی کی ہے جو اپنے اخلاق و کردار علم و عمل زہد و ورع

احتیاط فی الشرع کی بدولت مقبول خاص وعام بفضل رب الانام تھے اللہ لم یزل نے جہاں آپ کو بیشمار خوبیوں کا جامع بنایا وہی آپ کے چہرے کو ایسا بارونق کیا تھا کہ اول نظر دیکھنے والا آپ کا گرویدہ ہوجاتا شجر اسلام کی آبیاری فرمانا آپ کی زندگی کا مقصد اول رہا آپ نے ہند بیرون ہند میں مسلک اہلسنت مسلک اعلیحضرت کی خوب نشر واشاعت فرمائی اس بات کا فقیر خود عینی شاہد ہے کہ کئی اسفار میں نے آپ کے ساتھ کئے دوران سفر بھی آپ کے اطوار و طریق خدمت اسلام میں وقف نظر آتے میرے آپ سے بہت قریبی مراسم رہے میں جب دار العلوم جامعہ نعیمیہ مرادآباد حفظہ اللہ تعالی عن کل شر وفساد میں زیر تعلیم تھا آپ کا اکثر وہاں آنا ہوتا کبھی عرس حضور صدر الافاضل میں کبھی مدرسہ میں بحیثیت ممتحن اور کبھی تقاریری پروگرام میں تشریف لاتے اور یہ میری خوش نصیبی رہتی کہ آپ کا قیام میرے ہی روم پر ہوتا اور میں آپ سے کافی علمی استفادہ حاصل کرتا بلا شبہ آپ جماعت اہل سنت کے اک مستند عالم دین تھے آپ کا وصال یقینا جماعت اہل سنت کا عظیم نقصان ہے فقیر کے دل پر اس وقت کافی صدمہ پہنچا جب 15 رمضان المبارک بروز اتوار 1438 ہجری کو یہ خبر حول ناک سننے کو ملی کہ مفتی صاحب قبلہ علیہ الرحمہ کا وصال ہوگیا دل سے بے ساختہ ان للہ وانا الیہ راجعون نکلا اور فورا بریلی شریف جانے کا قصد کیا جب بریلی شریف پہنچا تو دیکھا کہ آپ کا جسد خاکی حضور ازہری میاں قبلہ کے دولت قدہ پر رکھا ہوا ہے جیسے ہی میری نظر آپ کے چہرے پرضیا پر پڑی آنکھوں سے آنسوں کی برسات شروع ہوگئی آپ کے ساتھ جو جو بھی میں نے ایام گزارے سب کے مناظر یاد آنے لگے آپ کے چہرے مبارک پر ایسے نور کی بارش ہورہی تھی گویا کہ آپ ابھی ابھی سیر جنت سے واپس ہوئے ہیں اور ایسا کیوں نہیں ہو کہ آپ خدا و رسول جلت عظمتہ وصلی اللہ علیہ وسلم کے سچے عاشق تھے رات بھر آپ کے چہرے پاک کا دیدار کیا اور صبح بعد نماز فجر 16 رمضان المبارک بروز پیر حضور ازہری میاں قبلہ نے آپ کی نماز جنازہ ادا فرمائی اور آپ کو نمناک آنکھوں سے سٹی قبرستان بریلی شریف میں حضور اعلی حضرت رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا وافاض علینا من برکاتہ ونعماہ کے والد ماجد کے متصل دفن کیا گیا اللہ لم یزل آپ کے مرقد پر اپنے فضل وکرم کی ہمیشہ بارش برسائے اور آپ کی مغفرت فرما کر دار الجنان میں آپ کو سکون بخشے۔۔۔۔۔امین بجاہ النبی الکریم الامین۔

ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہوں جسے

مولانا انیس عالم سیوانی، لکھنؤ

مفتی شعیب رضا کی ضرورت ابھی قوم کو تھی، وہ مرکز کے سچے نمائندہ تھے، ان کی رحلت ہم تمام برادران اہلِ سنت کے لئے عموماً اور خصوصاً برادران رضویہ کے لئے عظیم حادثہ ہے۔

ضعیفہ ماں، شریک حیات اور ان کے نونہال بچوں کے غموں کا ہم اندازہ نہیں کر سکتے، اکثر وہ فرماتے کہ محمد حمزہ رضا کی ماں میری بہت سی مشکلوں کو آسان بنا دیتی ہیں، اپنی گھریلوں اور ازدواجی زندگی سے بہت خوش اور مطمئن تھے، لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں کچھ اور ہی مقدور تھا، گذشتہ محرم الحرام کے موقع پر ناسک پروگرام کے لئے گئے تھے وہیں طبیعت بگڑی، اور بگڑتی چلی گئی، ٹاٹا ہاسپٹل ممبئ، سیفی ہاسپٹل ممبئ، بی ایل کپور دہلی، ودھانتا ہاسپٹل گڑگاواں، رام مورتی ہاسپٹل بریلی میں زیر علاج رہے، سب سے زیادہ پیلیا نے انہیں پریشان کیا، لیبر کینسر کی بھی ڈاکٹروں نے تشخص کی تھی، ساتھ ہی جادو سے بھی متاثر تھے، آپ کی علالت سے حضور تاج الشریعہ کافی صدمے میں تھے، کلکتہ، گونڈہ اور دار العلوم مخدومیہ رودولی کے پروگرام بھی اسی سبب حضرت نے کینسل فرمائے، رمضان شریف سے پہلے حضور تاج الشریعہ کے دولت کدہ پر آ گئے تھے، رمضان شریف کے دوسرے عشرہ میں طبیعت بگڑی، رام مورتی ہاسپٹل میں داخل کرایا گیا، لیکن سنبھل نہ سکی، آخری سفر کے لئے بلاوا آچکا تھا، اخیر کار ۱۵؍ رمضان المبارک ۱۴۳۸ھ مطابق ۱۱؍ جون ۲۰۱۷ء بروز اتوار تقریباً دن کے ۱۱؍ بجے جان جان آفریں کے سپرد کردی انا للہ وانا الیہ راجعون

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

علالت کے ایام میں آپ سے آپ کے بڑے بھائی محترم خورشید احمد اور برادران ناسک بالخصوص بابا برہان خطیب کے گھر والوں نے عقیدت اور خدمت کا حق ادا کر دیا، جتنی خدمت ان

لوگوں نے کی وہ انہیں کا حصہ تھا، خود مفتی صاحب علیہ الرحمۃ نے اس حقیر سے اس کا تذکرہ کیا۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو اور جملہ اہل محبت کو جزائے خیر دے آمین۔

مفتی صاحب قبلہ کی نماز جنازہ آبروئے اسلام وسنیت، شہزادۂ اعلیٰ حضرت حضور تاج الشریعہ نے ۱۶/ رمضان شریف ۱۴۳۸ھ مطابق ۱۲/ جون ۲۰۱۷ء بروز پیر صبح لگ بھگ ساڑھے پانچ بجے پڑھائی اور اس قبرستان میں دفن ہوئے جہاں حضور تاج الشریعہ کے اجداد اور خاندان کے کئی عالی مرتبت بزرگ مدفون ہیں، خاص کر علامہ رضا علی شاہ اور علامہ مفتی نقی علی خاں اسی قبرستان میں مدفون ہیں۔

مفتی محمد شعیب رضا ایک اچھے اور بردبار انسان تھے

■ مولانا ابوسار یہ عبداللہ علیمی فاضل بغداد، ممبئی

یہ دنیا فانی ہے، جو کوئی آیا ہے اسے ایک نہ ایک دن جانا ہے، ہر نیک و بد کو موت کے گلے لگنا ہے، اللہ رب العزت نے موت اور حیات کو اس لئے پیدا کیا تا کہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کس کے عمل اچھے ہیں۔ روز نہ معلوم کتنے پیدا ہوتے ہیں اور نہ معلوم کتنے لوگ دار فانی سے دار بقا کی طرف کوچ کرتے ہیں، لیکن کچھ ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کی رحلت کا غم برسوں یاد رہتا ہے، ایسے ہی لوگوں میں مفتی محمد شعیب رضا نعیمی بھی تھے، یہ جان کر بے حد صدمہ ہوا کہ مفتی صاحب ہم سب کو چھوڑ کر اللہ کو پیارے ہو گئے۔ ربیع الاول شریف ۱۴۳۸ھ کے پہلے عشرہ میں مولانا انیس عالم سیوانی کے ذریعہ خبر ملی کہ مفتی صاحب علیل ہیں اور سیفی ہاسپٹل ممبئی میں زیر علاج ہیں، ڈاکٹر کامران (کینسر اسپیشلسٹ) کی نگرانی میں ان کا علاج چل رہا ہے، میں عیادت کے لئے گیا، ملاقات ہوئی، دیکھ کر افسوس بھی ہوا اور خوشی اس بات کی تھی کہ عرصہ بعد ہماری ملاقات تھی، ہم لوگ آپس میں بہت بے تکلف تھے، مفتی صاحب کی باتوں اور انداز سے کبھی یہ نہیں لگتا تھا کہ حضور تاج الشریعہ کے داماد ہیں بلکہ بڑی سادگی کا مظاہرہ فرماتے، ایک عام آدمی کی طرح ملتے، مفتی صاحب جہاں ایک طرف بلند رتبہ باصلاحیت عالم تھے وہیں اخلاق ومحبت کے پیکر بھی تھے، ہونٹوں پر ہمیشہ مسکراہٹ، ہشاش بشاش چہرہ، کچھ کر گذرنے کا حوصلہ، ارادے میں پختگی، گفتگو میں بڑی متانت تھی، جو کچھ بولتے بہت سوچ سمجھ کر بولتے، جو رائے قائم کرتے اس میں یقین اور اعتماد جھلکتا، بلا وجہ نہیں بولتے، سامنے والوں کی باتوں کو بغور سنتے، مذہب ومسلک کے سچے سپاہی تھے، جب بھی مسلک ومذہب کی بات آتی تو آپ مرکز اہل سنت کی ترجمانی پوری شدت کیساتھ کرتے، عام طور پر آپ کا نظریہ توسع کا تھا، زیادہ سے زیادہ لوگوں کو آپ حضور تاج الشریعہ اور بریلی شریف سے قریب کرنے کی کوشش فرماتے، مرکز کی نمائندگی بڑی نرم روئی اور خوش اسلوبی سے کرتے تھے، انداز بیان میں اڑیل پن یا ہٹ دھرمی نہیں تھی، میانہ روی اور اعتدال کے آپ قائل تھے لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ وہ صلحکل کے حامی تھے بلکہ جہاں شدت کی ضرورت پڑی وہاں وہ شیشہ پلائی ہوئی دیوار ثابت ہوتے، بہ ایک وقت آپ کئی خوبیوں کے مالک تھے، عالم ومفتی بھی تھے، بہترین واعظ و مصلح بھی تھے، انقلاب آفریں داعی و مبلغ بھی تھے، پوری زندگی اشاعت سنیت وترویج مسلک اعلیٰ حضرت کے لئے کوشاں رہے، آپ صرف بڑی بارگاہ سے وابستہ ہی نہ تھے بلکہ اپنے اندر خود بڑوں کے اوصاف رکھتے تھے، جہاں گئے لوگ ان کے گرویدہ ہو گئے، تمام خوبیوں کے علاوہ جو سب سے بڑی خوبی ان کے اندر تھی وہ یہ کہ ایک اچھے انسان تھے۔ ان کے انتقال سے دنیائے سنیت اور حلقۂ رضویت، غم واندوہ سے دوچار ہے۔ مرنے والے کے ساتھ کوئی اس کی قبر میں لیٹتا نہیں اور نہ ہی کوئی مرنے والا مرنے کے بعد زندہ ہو کر باہر آتا ہے۔ ہاں ان گذرے ہوئے لوگوں سے ہمدردی کا تقاضہ ہے کہ ہم ان کی مغفرت اور ترقیٔ درجات کی دعا کریں۔ وہ سچے محمدی سنی حنفی بریلوی تھے، نہ وہ صلح کل کے قائل تھے اور نہ ہی جاہلوں کی طرح بیجا تشدد کے روادار، وہ حضور تاج الشریعہ کے داماد ہونے کے ساتھ ساتھ آپ کے معتمد بھی تھے، دکھ، درد کی اس گھڑی میں ہم آپ کے اہل خانہ، بچوں، بھائیوں اور بالخصوص والدہ ماجدہ کی خدمت میں اپنی تمام تر ہمدردیاں نذر کرتے ہیں اور مفتی صاحب کے ترقیٔ درجات کے لئے دعا کرتے ہیں۔

□□□

مفتی محمد شعیب رضا نعیمی سوانحی خاکہ

نام : محمد شعیب رضا

والد کا نام : حاجی شفیق احمد متوفی (۳/ ۱۲/ ۷/ ۲۰۰ء)

تاریخ پیدائش : ۲۷/ اکتوبر ۱۹۷۴ء بمقام۔ دودھلہ، پوسٹ۔ دودھلی ،تھانہ۔ کرت پور، تحصیل۔ نجیب آباد، ضلع۔ بجنور (یوپی)

ذاتی رہائش : کینٹ بریلی شریف،

شجرۂ نسب : محمد شعیب رضا بن حاجی شفیق احمد بن شبیر احمد بن نثار احمد

ذات : شیخ صدیقی

تعلیم : 1993ء میں جامعہ نعیمیہ مرادآباد سے عالمیت کی ڈگری حاصل کی ،مرکزی دارالافتاء بریلی شریف سے حضور تاج الشریعہ۔ علامہ تحسین رضا خاں اور علامہ قاضی عبد الرحیم بستوی علیہما الرحمۃ سے فتوٰی نویسی سیکھی اور سندالافتاء سے نوازے گئے۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ۱۹۹۹ء میں M. Th کی ڈگری حاصل کی.

۱۴۱۲ء میں شہادۃ السیر و السلوک دارا العلوم المدرسۃ العالیہ گورنمنٹ اورینٹل کالج رامپور سے حاصل کی۔ 1992ء جامعہ دارالسلام مرادآباد سے عربی میں ڈپلوما کورس کیا۔ 1993ء میں جامعہ اردو علی گڑھ سے ادیب کامل کیا۔

بیعت واجازت : حضور تاج الشریعہ علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں قادری ازہری سے شرف بیعت واجازت حاصل تھی۔

حج وزیارت : 2008 اور 2009 میں زیارت حرمین طیبین کی سعادت سے سرفراز ہوئے۔

اساتذہ: : علامہ مفتی محمد ایوب نعیمی ،استاذ المعقولات علامہ ہاشم مرادآبادی وغیرہ

مشغلہ : کتب بینی، وتبلیغی اسفار

رشتۂ ازدواج : ۲۶/ فروری 2003 کو حضور تاج الشریعہ کی چوتھی صاحبزادی قدسیہ باجی سے نکاح ہوا۔

اولاد امجاد : ایک بیٹا ،محمد حمزہ رضا ،عمر تقریباً ۱۰/ سال ، ۲/ بیٹیاں ،نوار فاطمہ اور دوسری بیٹی نور بہجت جو ابھی تقریباً ۷/ ماہ کی ہیں۔

برادران : رئیس احمد، ادریس احمد، وارث احمد، خورشید احمد، شعیب رضا، متین احمد، ایک بھائی کا بچپن ہی میں انتقال ہو گیا تھا۔

بہنیں : کوثر جہاں، کشور جہاں، عشرت جہاں

علامہ محمد شعیب رضا نعیمی جماعت اہل سنت کے بے لوث خادم اور مذہب اہل سنت کے وسیع النظر مبلغ تھے، ان کی زندگی کا نصب العین مسلک امام احمد رضا کی ترجمانی کرنا تھا، وہ اپنی تحریر وتقریر اور دعوت وتبلیغ سے لوگوں میں سنیت کی روح پھونکنا چاہتے تھے، انہوں نے مذہب کو بزنس اور تجارت نہیں بنایا، جس نے ،جب، جہاں، پکارا، چل دئے، کبھی کسی سے نذرانہ کا مطالبہ نہیں کیا، اگر کہیں کسی نے معمول کے برخلاف زیادہ نذرانہ پیش کیا تو کہتے کہ کہیں غلطی سے تو نہیں دے دیا ہے؟ اتنا نذرانہ تھوڑے ہوتا ہے، ایک مرتبہ ایک پروگرام سے واپس ہو رہے تھے راستے میں ٹرین میں ٹی ٹی کو پیسہ دینا ہوا، میں نے کہا میں دے دیتا ہوں تو کہنے لگے، نہیں پیسہ میں دونگا، لفافہ کھولا تو اس میں صرف دو ہزار روپئے تھے، جبکہ ٹوٹل خرچہ ۲ ہزار سے زائد تھا، لیکن دینے والوں کو کوسنے کی بجائے فرمایا کہ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے، لیکن جب دوسروں کو کہیں بھیجتے تو جلسے والوں کو اشارہ کر دیتے۔

ہندوستان کے بہت سے شہر و دیہات ہیں جہاں آپ کے جانے کے سبب سے وہاں کے لوگ مرکز سے وابستہ ہیں، کلکتہ، اڑیسہ، ناسک وغیرہ جہاں حضور تاج الشریعہ کے چاہنے والے حضرت کی تاریخ نہ ہونے کے سبب آپ کے معتمد داماد اور خلیفہ علامہ مفتی محمد شعیب رضا کو بلاتے ،مفتی صاحب جاتے، تقریر کرتے، لوگوں کی باتیں سنتے،

چاہنے والوں کو دلاسہ دلاتے اور سمجھاتے کہ حضور تاج الشریعہ پوری دنیا کے مسلمانوں کے لئے مرکز توجہ ہیں، وہ اکیلے کہاں کہاں جا سکتے ہیں، اس طرح لوگوں کو مطمئن کرتے، لوگ بیعت کے لئے خواہش کرتے تو آپ اپنے لئے بیعت نہ کرتے بلکہ حضور تاج الشریعہ کے وکیل کی حیثیت سے تاج الشریعہ کے لئے داخل سلسلہ فرماتے۔

انداز بیان خواہ تقریر ہو یا تحریر نہایت سادہ، صاف ستھرا، جس سے کسی پڑھے لکھے انسان کا تصور ابھر کر آئے۔ رہنے سہنے، کھانے پینے اور پہننے اوڑھنے میں بھی سادگی تھی۔ کوئی بناؤ سنگار نہ تھا۔ ہاں! عالمانہ وقار میں کوئی کمی نہ تھی، باتوں میں بردباری، اخلاق میں نرمی اور لوگوں کے دلوں میں گھر کرنے والے اوصاف کے حامل تھے، کئی دفعہ اس حقیر کی درخواست پہ دور دراز کے سفر کئے، جہاں گئے وہاں کے لوگ ہمیشہ کے لئے ان کے دیوانے ہو گئے، کئی سال پہلے میری گذارش پر اڑیسہ کے شہر جھارسوگڑہ، دو بار تشریف لے گئے، ایک مرتبہ سیوان بہار گئے اور لکھنؤ درگاہ کھمن پیر میں آمد بھی اس حقیر کی درخواست پر ہوتی رہی، کبھی نہ کہا وہاں کیا ملے گا۔

ابھی دو تین سال پہلے کی بات ہے شہر لکھنؤ میں ہمارے ایک مخلص دینی بھائی عزیزم تاج محمد رضوی کی والدہ اور چھوٹے بھائی کا ایک حادثہ میں انتقال ہو گیا۔ جب آپ کو معلوم ہوا آپ ان کے گھر تعزیت کے لئے پہنچے، دعائیں دی اور صبر کی تلقین کی، فاتحہ چہلم کے موقع پر اہل خانہ کی پریشانی تھی کہ نذرانہ کہاں سے پیش کریں گے اگر انہیں بلائیں، آپ کو یہ خبر ملی تو آپ نے فرمایا کہ میں خود اپنے طور پر فاتحہ میں شرکت کروں گا، اس پروگرام میں آپ کے علاوہ حضور محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب قادری نے بھی شرکت فرمائی تھی، مفتی محمد شعیب رضا صاحب نے فاتحہ چہلم میں ایک زبردست خطاب کیا جس میں ردوہابیہ کے ساتھ ساتھ نام نہاد صوفیا جو آر ایس ایس کے آلۂ کار بنے ہوئے تھے ان کا بھی پرزور رد کیا، انہیں دنوں میں ہندوستان کے وہابی سعودی عرب کے کسی وظیفہ خور کو امام حرم بنا کر لوگوں کو گمراہ کر رہے تھے، اور گلی کوچوں میں اس سے نماز پڑھوا کر سنیوں کو بھڑکانے کا کام کر رہے تھے، اس وہابی امام حرم کی بھی مفتی صاحب نے خوب خبر گیری فرمائی، ویسے تو آپ سے محبت کرنے والوں کی لمبی فہرست ہے، جہاں ایک طرف حضور تاج الشریعہ سے نسبت کے سبب آپ لوگوں میں محبت اور احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے وہیں اپنے اخلاق کریمانہ اور ذاتی محاسن کے باعث بھی لوگوں میں مقبول تھے۔

ابتدا میں حضور تاج الشریعہ کے اکثر دوروں میں ہندو بیرون ہند ساتھ رہتے تھے، بعد میں حضرت کے حکم پر تنہا سفر کرنے لگے، معاندین نے یہ افواہ پھیلائی کہ حضور تاج الشریعہ اپنے داماد مولانا شعیب رضا سے ناراض ہیں، اس لئے اب وہ حضرت کے ساتھ پروگرام میں نہیں ہوتے، انہوں نے خود بتایا کہ حضرت نے ایک بار فرمایا کہ کتنے لوگ میرے ساتھ چلیں گے، تم اکیلے دورہ کرو، تاکہ لوگ تمہیں تمہاری وجہ سے پہچانیں، آپ نے کہا حضرت کے حکم کے مطابق میں نے ایسا کیا اور اس سے بہت فائدہ ملا، خود ہی فرمانے لگے کہ حضرت کے ساتھ کئی لوگوں کے جانے سے جلسے والوں پر خواہی مخواہی اضافی بار پڑتا ہے، ناسک اور اس کے اطراف و جوانب میں اکثر آپ دورہ فرماتے، وہاں لوگ آپ کی بڑی قدر کرتے، امام احمد رضا لرننگ اینڈ ریسرچ سینٹر ناسک کے آپ سرپرست تھے، پچھلے دو سالوں سے وہاں تحقیق کا شعبہ بھی آپ نے جاری کرایا تھا، جو الحمد للہ چل رہا ہے۔

ناسک کے برادران جن کی عقیدت قابل دید اور رشک تھی، خاص کر محترم اقبال خطیب، بابا برہان خطیب، محمد مجاہد، توصیف سر، محمد مبین، محمد عابد، صادق سر، حاجی محمد یونس سکریٹری وغیرہ مفتی صاحب علیہ الرحمۃ کے دیوانہ ہیں۔

مفتی صاحب اب ہمارے درمیان نہیں رہے لیکن وہ ہم سب کے دلوں میں ہمیشہ رہیں گے، جب جب یاد آتی ہے تو بس دل مسوس کر رہ جاتا ہے، مجھ حقیر کو آپ کی رحلت سے سخت صدمہ پہنچا کہ اولاً تو وہ ہمارے شیخ اور مرشد برحق کے داماد تھے، ثانیاً ہمارے اوپر بڑے مہربان اور کرم فرماتے تھے، مسلک امام احمد رضا کے سچے ترجمان تھے، سنجیدہ مزاج اور صاحب فہم و بصیرت تھے، اپنی ہر بات مجھ سے بتاتے، بہت سے امور میں مشورہ فرماتے، ایک مرتبہ ایک صاحب نے ازراہ عناد کہا کہ لکھنؤ میں ایک انیس عالم ہیں جو کہتے ہیں کہ میں تاج الشریعہ کا خلیفہ ہوں، مطلب تھا کہ مفتی صاحب کہیں کہ انیس عالم جیسے بہت سے خلیفہ ہیں، لیکن آپ نے فرمایا کہ ہاں ہاں وہ خلیفہ بھی ہیں اور معتمد بھی ہیں، انہیں ہلکا نہ جانیئے اور اپنے جلسے کے لئے انہیں مدعو کیجئے اور ان سے مشورہ کر کے جلسہ کیجئے پھر ان صاحب نے بڑی منت سماجت کر کے دعوت دی اور اس بات کا اظہار کیا کہ ہم ناواقف تھے۔

* * *

مرکز اہل سنت بریلی شریف کی نمائندہ تنظیم

جماعت رضائے مصطفیٰ

قائم کردہ:

مجدد دِین وملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ

سرپرستی:

حضور تاج الشریعہ علامہ اختر رضا قادری ازہری دام ظلہ

صدارت:

شہزادہ تاج الشریعہ علامہ عسجد رضا قادری

کیا آپ چاہتے ہیں؟

☐ کہ ہر مسلمان کو اپنے دین کی بنیادی معلومات حاصل ہو...
☐ مسلمانوں کے شرعی اور قانونی حقوق کی حفاظت ہو....
☐ قوم کی غریب اور ضرورت مند لڑکیوں کی وقت پر شادی ہو...
☐ قوم کے ہر بچے تک تعلیم پہنچانے کا انتظام ہو....
☐ مسلمانوں میں مشربی علاقائی اور لسانی تعصب کا خاتمہ ہو...
☐ بے گناہ گرفتار مسلمانوں کی قانونی پیروی کی جائے....
☐ عقائد ونظریات کے تئیں مسلمانوں میں بیداری پیدا کی جائے...

اگر ہاں!

تو آج ہی جماعت رضائے مصطفی کے ممبر بن کر اپنی آواز اور مرکز کے کاز کو مضبوط کریں...تاکہ ہم سب مل ایک تعلیم یافتہ مہذب اور غم گسار سماج کی تشکیل کر سکیں...ممبر بننے کے اس نمبر پر کال کریں

9717285505

المعلن: غلام مصطفی نعیمی (صوبائی صدر جماعت رضائے مصطفی دہلی)